عروج و زوال کا الٰہی نظام

جس میں قوموں کے عروج و زوال کے اسباب، قائدین کے اوصاف و خصائل، بقاءِ اصلح اور
بہت سے نفسیاتی، عمرانی اور اجتماعی مسائل پر وحیِ الٰہی اور علم و تحقیق کی روشنی میں
بصیرت افروز اور محققانہ کلام کیا گیا ہے

تالیف

مولانا محمد تقی صاحب امینی

رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی

Marfat.com

Marfat.com

عروج وزوال کا الٰہی نظام

تالیف

مولانا محمد تقی صاحب امینی صدر دار العلوم معینیہ درگاہ شریف اجمیر

رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین دہلی

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

PEOPLE'S PUBLISHING HOUSE
ALMINAR MARKET CHOWK ANARKALI.
LAHORE.

Marfat.com

135247

طبع اوّل

صفر المظفر ۱۳۷۹ھ مطابق اگست ۱۹۵۹ء

قیمت مجلد :- تین روپئے

مطبوعہ

الجمعیۃ پریس دہلی

Marfat.com

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ
مقدمہ	۱۱
(۱) انسان کا مقام اور قدرتی انتظام	۱۵
انسان ایک مستقل مخلوق ہے جسمیں اللہ کی روح ہے اور اس کی صفات کا پرتو ہے	۱۵
انسان دنیا میں اللہ کا نائب ہے اور اس کی صفات کا مظہر ہے۔	۱۶
کائنات کی امانت انسان کے سپرد ہے	۱۸
عہدۂ نیابت پر بھیجتے وقت کی چند ہدایتیں	۱۹
پیغمبروں نے سیرت سازی کی فیکٹریاں قائم کیں اور مادی ترقیات کا رخ بتایا	۲۰
ایک مثال کے ذریعہ قدرتی انتظام کی وضاحت	۲۲
(۲) زندگی کے نفسیاتی موثرات	۲۳
فطرت قبول حق کی قوت واستعداد کا نام ہے	۲۳
فطرت کی لغوی تشریح اور محققین کی رائیں	۲۴
قوت ملکیہ اور قوت بہیمیہ فطرت کے ماسوا، محرکات ہیں	۲۵
کچھ خاصیتیں اور صلاحیتیں بذریعۂ وراثت نفوذ کرتی ہیں	۲۷
لفظ شاکلہ سے استدلال اور لغوی تحقیق	۲۷
محققین ومفسرین کی رائیں	۲۸
قوموں کے آباء واجداد کے تذکرہ سے	۲۹
وراثت پر استدلال	
چند حدیثوں سے وراثت کا ثبوت	۳۰
اجتماعیات کے چند اقتباس	۳۱
انسان ماحول کی تمام چیزوں سے متاثر ہوتا ہے	۳۲
قرآن حکیم سے ماحول کا ثبوت	۳۲
رسول اللہ کی حدیث سے ماحول کا ثبوت	۳۳
فلسفۂ اجتماع کے ماہرین کی رائیں	۳۴
تربیت کا مقصد ضبطِ نفس کی طاقت پیدا کرنا اور غلط اثرات سے بچنا ہے	۳۵

Marfat.com

مضامین	صفحہ
تربیت کے ذریعہ اوصاف وخصائص کے استعمال کا رخ بدل سکتا ہے	۳۶
منش وعادت چھوڑی جا سکتی ہے	۳۸
جسمانی ساخت پر ذہنی ساخت کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے	۳۹
(۳) قائدین کی تربیت واوصاف وخصائص	۴۱
قائدین کی تربیت کی دو صورتیں ہیں	۴۲
انبیاء کرام کی زندگی میں دونوں کی مثالیں ملتی ہیں	۴۳
قرآنِ حکیم سے قائدین کی تربیت کا ثبوت	۴۴
"قائدین میں کام اور مقام کی مناسبت سے صلاحیت ہونی چاہیئے	۴۶
لفظِ حکمت سے صلاحیت پر استدلال	۴۷
"تاویل الاحادیث سے صلاحیت پر استدلال	۴۹
فی العلم والجسم سے صلاحیت پر استدلال	۴۹
فنائیت یہ ہے کہ قائدین کے دل ودماغ میں حیات سے عشق سمایا ہوا ہو	۵۱

مضامین	صفحہ
فنائیت کے چند اثرات جو قائدین کی زندگی میں نمودار ہونے چاہئیں	۵۱
نہایت اہم اثر یہ ہے کہ تکلیف ومصیبت میں عیش وراحت کی لذت محسوس کریں	۵۳
عملیت یہ ہے کہ قائدین نظریۂ حیات کو بروئے کار لانے کیلئے سراپا عمل بن جائیں	۵۴
قرآنِ حکیم اور انبیاء کرام کی زندگی سے عملیت کا ثبوت	۵۵
"قائدین کی اخلاقی زندگی نہایت منظم ہونی چاہیئے	۵۷
انبیاء کرام کے اخلاق بجائے خود معجزہ اور نبوت کی بڑی دلیل ہوتے ہیں	۵۷
"قائدین کو ہر وقت جذبات قابو میں رکھنا چاہیئے	۵۹
قوتِ استدلال وبیان یہ ہے کہ موقع ومحل کے لحاظ سے قائدین مخاطب کو سمجھا سکیں	۶۰
قرآنِ حکیم اور انبیاء کرام کی زندگی سے ثبوت	۶۱
قیادت ودعوت کی راہ کے چند اصول	۶۲
(۴) عروج وزوال کی زمین اور اسکی بنیاد	۶۶
عروج یا زوال کی تخم ریزی سب سے پہلے انفس میں ہوتی ہے	۶۷

Marfat.com

مضامین	صفحہ
دنیا ایک باغ ہے جو باغبان خلق خدا کے لئے باغ کو زیادہ مفید بنانے کا اہل ہوگا وہی مستحق ہوگا	۶۹
عروج وبقا کا سنگ بنیاد اخلاق پر رکھا جاتا ہے	۷۰
چند اخلاقی اوصاف کی تفصیل	۷۰
فلسفۂ تاریخ واجتماعیات کے دو مشہور استادوں کی رائیں	۷۱
دو قوموں کی مثالیں	۷۳
قرآنی اخلاق کی بنیاد عالمگیر افادیت اور عمومی رحمت پر ہے	۷۳
زوال کی بنیاد بداخلاقی پر رکھی جاتی ہے	۷۴
قوموں کی تاریخ سے اس کا ثبوت	۷۵
(۵) انتخاب فطری اور بقاء اصلح	۷۷
نظریۂ بقاء اصلح کی اجمالی تشریح	۷۷
قوموں کی باہمی مزاحمت ومدافعت ہی کی بدولت نشو وارتقاء کا کام جاری ہے	۷۹
قیام وبقاء کیلئے اخلاقیت کی اعلیٰ پیمانہ پر تنظیم اور مادیت کی ترقی کا سلسلہ جاری رہنا ضروری ہے	۸۱

مضامین	صفحہ
چند آیاتِ قرآنی سے اس کا ثبوت	۸۱
قرآن حکیم کی نظر میں اصلح بننے کے لئے صفت عدالت اصل معیار ہے	۸۴
(۶) اصلح قوم کی تنظیم وتربیت کے بنیادی اصول	۸۷
تنظیم وتربیت کے بنیادی اصول چار ہیں	۸۸
(۱) ایمان	
ایمان قلب وذہن کی خاص کیفیت کا نام ہے	۸۹
ایمان قوت وطاقت کا سرچشمہ ہے	۹۰
ایمان کا لازمی نتیجہ محبت ومحبوبیت ہے	۹۱
ایمان جان ومال کا سودا ہوتا ہے	۹۳
ایمان کا مدار اور موقوف علیہ ہجرتؐ جہادؐ اور نصرتؐ ہیں	۹۵
تینوں کی تعریف وتشریح	۹۶
جہاد ایک فطری حقیقت ہے مدافعانہ اور جارحانہ پر تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے	۹۸
جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت اور اس کا مقصد	۹۹
ایک غلط فہمی کا ازالہ اور چند شہادتیں	۱۰۰

Marfat.com

مضامین	صفحہ
ایمان کے لئے مرکزیت، اطاعت اور اتحاد تینوں ضروری ہیں	۱۰۲
ایمان کا تقاضا پیہم حرکت اور مسلسل سعی و عمل ہے	۱۰۴
ایمانی اعمال کی اجمالی فہرست	۱۰۵
ایمانی زندگی میں قیام صلوٰۃ وادائے زکوٰۃ کو اہمیت دینے کی وجہ	۱۰۶
انسانی زندگی پر ایمان کے مجموعی اثرات	۱۰۷
ایمان کو دل کی گہرائیوں میں اتارنے اور بارآور بنانے کے لئے تربیت کی ضرورت ہے	۱۰۸
(۲) عمل صالح	۱۱۰
لفظ صالح کی لغوی تحقیق اور چند محاورے	۱۱۰
قرآن حکیم میں صالح کے مفہوم کی عمومیت کا ثبوت	۱۱۲
احادیث سے عمومیت کا ثبوت	۱۱۳
مفسرین کی تصریحات سے عمومیت کا ثبوت	۱۱۳
قیام و نفاذ کے لئے عمل صالح کے ذکر میں سیرت کی تشکیل اور عالمی تصرفات دونوں مراد ہیں	۱۱۶
قرآن حکیم نے دونوں پر یکساں زور دیا ہے	۱۱۷
عالمی تصرفات سے متعلق چند آیتیں	۱۱۸
عالمی تصرفات سے متعلق رسول اللہ کے	۱۲۰

مضامین	صفحہ
چند انتظامات	
اس سلسلہ میں مفسرین و محققین کی رائیں	۱۲۲
علامہ ابن تیمیہؒ کا قول کہ دین کی تکمیل قوتِ حرب و جہاد اور مال کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے	۱۲۳
"روسو" کی فاش غلطی کا ثبوت	۱۲۴
(۳) تواصی بالحق	۱۲۵
تواصی کی لغوی، صرفی اور اصطلاحی تحقیق	۱۲۵
مادۂ وصیت لانے میں نکتہ	۱۲۶
وصیت کے مادہ میں ذمہ داری اور نگرانی کا مفہوم پایا جاتا ہے	۱۲۷
تواصی جذبہ و اسپرٹ کے ساتھ ہونی چاہیئے	۱۲۷
رسول اللہؐ کی بیان کردہ ایک مثال سے جذبہ کی وضاحت	۱۲۸
ایک اور مثال کے ذریعہ اس کی وضاحت	۱۲۹

Marfat.com

مضامین	صفحہ
قومی وطنی اور مذہبی جذبات میں سب سے زیادہ موثر جذبہ مذہبی ہے	۱۳۰
مذہبی جذبہ ہی بڑی سلطنتوں کے قیام اور تاریخی انقلاب کا باعث بنا ہے	۱۳۱
مذہبی جذبہ انسان کی جبلت میں داخل ہے	۱۳۲
اجتماعیین کے نزدیک مذہب کی ایک وسیع توجیہ	۱۳۳
الحق کی لغوی تحقیق	۱۳۴
زیر بحث الحق کے مفہوم کی تشریح	۱۳۴
(۴) تواصی بالصبر	۱۳۶
صبر کی تحقیق اور اس کا استعمال	۱۳۶
قیام دبقاء کے سلسلے میں صبر کا مقام	۱۳۸
صبر کے مظاہر کی تشکلیں	۱۳۹
تواصی بالصبر میں عملی ہمدردی و امداد کے ساتھ زبانی تلقین مراد ہے	۱۴۱
(۷) زوال کے بنیادی اصول	۱۴۳
(۱) شرک و نفاق	۱۴۴
شرک و نفاق کی حقیقت	۱۴۴

مضامین	صفحہ
نفاق کے بارے میں حضرت حذیفہ رضؓ کے قول کی تشریح	۱۴۶
شرک و نفاق سے عزم و یقین کی روح فنا ہو جاتی ہے	۱۴۷
نظم و مرکزیت اور اطاعت و اتحاد کا جذبہ فوت ہو جاتا ہے	۱۴۸
دل کا استحکام ختم ہو جاتا ہے اور زبان د	۱۴۹
دل کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے	
مقصد واضح شکل میں سامنے نہیں رہتا ہے	۱۵۰
محنت و مشقت کے کام نہیں ہو پاتے ہیں	۱۵۲
اور باتیں بنا کر مطلب براری کیجاتی ہے	
ذاتی مفاد و اغراض کی غلامی ہوتی ہے	۱۵۲
کچھ لوگ الگ تھلگ رہ کر حالات کی رفتار دیکھتے	۱۵۳
ہیں اور بعض لوگ مخالفین کا ساتھ دیتے ہیں	
مذہب کی نمائش دنیا کے لئے ہوتی ہے اور ہر	۱۵۴
جائز و ناجائز طریقے سے دنیا حاصل کیجاتی ہے	
قوت و استنباط اور جدت طبع وغیرہ ختم ہو کر تقلیدی	۱۵۵
جمود پیدا ہو جاتا ہے	

Marfat.com

مضامین	صفحہ
عمل کی جگہ تمنائیں اور آرزوئیں لے لیتی ہیں اور دل کی روحانیت ختم ہو کر شیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے	۱۵۶
(۲) بے عملی و بدعملی	۱۵۷
معاصی کے ارتکاب میں آزادی و بے باکی ہو جاتی ہے	۱۵۸
انسانیت حیوانیت کی سرحد میں داخل ہو جاتی ہے	۱۵۸
قوم پر یاس و قنوط کی حالت طاری ہوتی ہے اور ذلت انگیز امن پر قناعت کر لیتی ہے	۱۵۹
توکل اور تقدیر کے غلط مفہوم رواج پا جاتے ہیں اور قوائے عملی مفلوج بن جاتے ہیں	۱۶۲
دل کی سختی سے عبرت پذیری کی استعداد ختم ہو جاتی ہے	۱۶۴
مال و دولت اور زندگی سے محبت کی وجہ سے جدوجہد کی طاقتیں چھن جاتی ہیں	۱۶۵

مضامین	صفحہ
علماء میں بھی مال و دولت اور زندگی سے محبت بڑھ جاتی ہے	۱۶۷
ذہنیت پر پردہ پڑ جاتا ہے اور کھلی ہوئی ترقی کی راہیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں	۱۶۸
مذہب کے غلط تخیل کی وجہ سے دین اور دنیا کی تقسیم ہو جاتی ہے	۱۶۹
ایک غلط فہمی کا ازالہ	۱۷۰
سائنٹفک زور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کے وقت سے ہوا ہے	۱۷۱
چند علماء یورپ کی شہادتیں	۱۷۱
زوال کے زمانہ میں رومن قوم کی حالت	۱۷۳
زوال کے زمانہ میں ایرانیوں کی حالت	۱۷۵
مسلم حکومت کے زوال پر شاہ ولی اللہؒ کی بحث	۱۷۶
عیش پرستی کی ذہنیت ہوتی ہے جو زوال پذیر قوم پر مسلط ہو جاتی ہے	۱۷۸

Marfat.com

مضامین	صفحہ
(۳) باطل پرستی وخود فریبی	۱۷۹
باطل پرستی وخود فریبی سے بصیرت نفس ختم ہوجاتی ہے	۱۷۹
نفوس میں انجماد ہوجاتا ہے	۱۸۰
قوم بحیثیت مجموعی عجائب پرست بن جاتی ہے	۱۸۱
جرائم کو سمجھنے والے لوگ نہیں رہ جاتے ہیں	۱۸۲
بدعات اور جرائم تمدن کو شیطان بقاء اور ارتقاء کا سبب بنا کر پیش کرتا ہے	۱۸۳
(۴) بے تبانی وخودغرضی	۱۸۳
قوم تشکوہ سنجی میں مبتلا ہوجاتی ہے اور قسمت کا ماتم کرنے لگتی ہے	۱۸۴
قومی کام کا ولولہ نہیں باقی رہتا ہے	۱۸۵
قوم کے جوان اور نوجوان بھی تباہی کا شکار ہوجاتے ہیں	۱۸۶
جوانی اور بڑھاپے کی ایک نئی تقسیم	۱۸۶
ماہرین نفسیات کے ایک شبہہ کا جواب	۱۸۷

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

قوموں کے عروج و زوال کا مسئلہ اتنا ہی اہم اور قدیم ہے جتنا کہ خود انسان کا مسئلہ۔ تاریخ عالم پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ "بابل و نینوا" کو آباد کرنیوالی قومیں۔ عاد و ثمود جیسی پہاڑوں سے ٹکرانیوالی طاقتیں۔ روم و ایران جیسی تہذیب و تمدن کی شمع روشن کرنیوالی سلطنتیں اور نہ معلوم کتنی قومیں اور کتنی حکومتیں آسمانِ ترقی پر پہنچیں اور باغ و بہار کا مزہ لوٹنے کے بعد خاک میں مل گئیں۔

اجڑی ہوئی بستیاں۔ ظلم کی چکی میں پسنے والی قومیں۔ صحراؤں کے بھٹ اور پہاڑوں کے غاروں میں بھی گوشۂ عافیت نہ پانیوالی آبادیاں اور تمام گمنام و بے بس قومیں جو آج کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی گذار رہی ہیں زبانِ حال سے شہادت دیتی ہیں کہ اُن پر اقبال و فیروزمندی کا دَور بھی گذر چکا ہے اور فتح مندی و کامرانی کے بعد ہی انہیں ذلت و نکبت سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

عروج و زوال کے بارے میں مسلم قوم کی تاریخ نہایت واضح اور مکمل نمونہ ہے یہ وہ قوم ہے جو اپنے عروج کے زمانہ میں طوفان کی طرح اٹھی، بجلی کی طرح چمکی اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی حکومت و مملکت کی حدیں اتنی وسیع کرلیں کہ سو سال بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ مشرق میں سندھ و چینی ترکستان تک اور مغرب میں ہسپانیہ تک اپنے اقتدار میں لے لیا۔ علوم و فنون

Marfat.com

کی ترقی کے لحاظ سے مدتوں ساری دنیا پر اپنی فوقیت و برتری کا بے داغ سکّہ چلایا۔ ذہنی و دماغی اور اخلاقی و مادی ہر لحاظ سے صدیوں ایسی کامیاب حکومت کی کہ اپنے "پاور ہاؤس" سے پرانی دنیا کے دفینوں پر "اعظم" کو روشنی پہنچاتی رہی لیکن زوال کے زمانہ میں اسی قوم پر فلاکت دادبار مسلط ہو گیا۔ بازو شل اور دماغ جامد ہو گئے۔ جہاد و اجتہاد کی طاقت ناپید ہو گئی اور اپنے وطن سے بے وطنی اور وطن میں رہ کر غریب الوطنی پر مجبور ہوئی۔

مغرب میں قلعہ الحمرا و قصر الزہرا، اور مشرق میں قلعہ شاہجہانی و تاج محل عروج و زوال کی پوری داستان اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔

الغرض قوموں کی زندگی میں اسی قسم کا نشیب و فراز، اُتار چڑھاؤ اور بناؤ بگاڑ ایک لامعلوم زمانہ سے چلا آرہا ہے۔

ایسی حالت میں یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ اس کے پس پشت کچھ قوانین و اسباب کارفرما ہیں یا یہ محض بخت و اتفاق کا نتیجہ ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں مفکروں اور فلسفیوں نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہو کہ چھ ہزار سال کی مسلسل جستجو بھی انسان کو اس کا اصلی مقام دلانے میں کامیاب نہ ہو سکی اور اس لحاظ سے عروج و زوال کے مسئلہ کا حل بھی انسانی مقام کے شایانِ شان نہ بن سکا۔

کائناتی مسائل کا حل چونکہ اسی ایک مسئلہ پر موقوف ہے اس بنا پر ہدایت الٰہی نے بھی ہر دور میں اس مسئلہ کو مرکز توجہ بنایا اور اس کے نوک پلک درست کرنے میں پورا زور صرف کیا۔ جن لوگوں کے سامنے چھ ہزار سال کی ناکامیوں اور نامرادیوں کی پوری تاریخ ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کام کس قدر مشکل ہے اور ہدایت الٰہی کو دخل دینے کی اس میں کتنی ضرورت تھی۔

Marfat.com

آیندہ اوراق میں ہدایتِ الٰہی کی روشنی میں اِسی سوال کا جواب اور اسی مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مسئلہ جس قدر تفصیل طلب ہے مجھے اعتراف ہے کہ اتنی تفصیل اس کتابچہ میں نہیں بیان ہو سکی ہے پھر بھی موضوع کے بنیادیات اور اساس کی ایک حد تک تفصیل آگئی ہے۔ بحث کی طوالت سے اس بنا پر گریز کیا گیا ہے کہ کتاب لکھنے کا مقصد صرف یہ نہ تھا کہ علمی ذخیرہ میں مزید ایک اور کتاب کا اضافہ ہو جائے بلکہ یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ پڑھی جائے اور خلق خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے اس راہ میں ایک رکاوٹ کتاب کی ضخامت بھی سمجھی جاتی ہے حتی الامکان کوشش کی گئی کہ اپنی طرف سے یہ رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

کتاب میں پہلے انسان کی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ جب تک انسان کو اُس کا صحیح مقام نہ معلوم ہو عروج و زوال کے گرداب سے واقفیت دشوار ہے۔ زندگی کے نفسیاتی موثرات اور قائدین کے خصائص وغیرہ کی بحث بھی بقدر ضرورت آگئی ہے کہ اس کے بغیر اصل مسئلہ کی گہرائی تک پہنچنا اور سیاق و سباق سے واقف ہونا تقریباً دشوار تر تھا۔ ان مباحث میں مؤلف کو کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کا فیصلہ قارئین کرام ہی کر سکتے ہیں البتہ اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر بحث کی بنیاد ہدایتِ الٰہی کی آخری کتاب مقدس (قرآن حکیم) ہی پر استوار ہو۔ نیز یہ کہ کوئی بات بغیر معتبر سند کے نہ پیش کی جائے۔ اس سلسلہ میں توضیح و تشریح کی حد تک دوسرے مصنفین کی علمی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے ان سب کا ممنونِ احسان ہوں۔

ناسپاسی ہوگی اگر "ندوۃ المصنفین" اور اس کے بانی کا شکریہ نہ ادا کروں، اس نازک اور مشکل وقت میں یہ علمی و مذہبی ادارہ اگر بکمالِ حوصلہ کتاب کی اشاعت

Marfat.com

کے لئے تیار نہ ہوتا تو پھر یہ ظاہری کوشش بروئے کار نہیں آسکتی تھی۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب محسنوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور میری اس ناچیز سعی کو شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین۔

محمد تقی امینی کان اللہ لہٗ

۲۴ شوال المکرم ۱۳۷۸ھ مطابق ۳ مئی ۱۹۵۹ء

انسان کا مقام اور قدرتی انتظام

تاریخ کے ہر دور میں مشرق و مغرب کے فلسفیوں نے انسان کے بارے میں طبع آزمائی کی ہے۔ کسی نے خارجی دنیا کو سمجھ کر انسان کا مقام جاننے کی کوشش کی ہے اور کسی نے داخلی تجربات کو زیادہ اہمیت دی ہے۔[1]

لیکن "وحی الٰہی" نے جس نگاہ اور بلندی کے ساتھ انسان کو دیکھا ہے اس کا پتہ قدیم و جدید کسی فلسفی کے نظریہ میں نہیں ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی نظر میں انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل نہیں ہے۔[2]

انسان ایک مستقل مخلوق ہے جس میں اللہ کی روح ہے اور اسکی صفات کا پرتو ہے	بلکہ وہ مافوق حیوان ایک مستقل مخلوق ہے جس کے بنانے میں اللہ کا دست خاص مصروف

عمل رہا ہے

خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ۳۸/۷۵ — اپنے ہاتھوں سے میں نے بنایا

اور تسخیری و اخلاقی تمام "جواہر" جو انسان کے اندر پائے جاتے ہیں وہ حیوانیت کی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ اس بات کا کرشمہ ہیں کہ اللہ نے اپنی روح اس میں پھونکی ہے اور اپنی صفات کا پرتو اس پر ڈالا ہے۔

---

[1] ہند و یونان کے فلسفی نظریات میں دونوں کی مثالیں ملتی ہیں۔ [2] جدید فلسفی ڈارون، فرائڈ وغیرہ انسان کو حیوان کی ترقی یافتہ شکل بتلاتے ہیں ۱۲

Marfat.com

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۱۵/۲۸

پھر جب میں انسان کو درست کروں اور اس میں اپنی روح پھونکدوں تو تم (فرشتے) سجدہ میں گر پڑو۔

دوسری جگہ ہے

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ ۳۲/۹

پھر اللہ نے انسان کو درست کیا اور اس میں اپنے روح سے (کچھ) پھونک دیا۔

روح پھونکنے کے ساتھ زندگی کی پرخطر راہوں پر عبور کرنے کے لئے اور نشیب و فراز سے واقفیت کے لئے دیکھنے سننے کی طاقت اور سمجھنے کی صلاحیت بھی بخشی۔

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۳۲/۹

اور تمہارے لئے کان آنکھ اور دل بنایا۔

مذکورہ آیتوں کی ترجمانی حدیث سے بھی ہوتی ہے چنانچہ حدیث قدسی ہے

لَا اجعل مَنْ خَلَقْتُهٗ بِيَدَيَّ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ كَمَنْ قُلْتُ لَهٗ كُنْ فَكَانَ۔

جس مخلوق کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ان میں اپنی روح پھونکی اس کو ان مخلوقات کے برابر نہ کروں گا جن کو میں نے لفظ "کن" سے بنایا۔

انسان دنیا میں اللہ کا نائب ہے اور اس کی صفات کا مظہر ہے

دنیا میں انسان کو اللہ نے اپنا نائب (خلیفہ) اور اپنی صفات کا مظہر بنایا۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط ۱/۳۰

میں زمین میں اپنا نائب مقرر کر رہا ہوں۔

Marfat.com

نیز تمام مظاہر قدرت سے اس کو افضل قرار دیا

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ [۱۷/۷۰] — ہم نے انسان کو معزز بنایا

اس نیابت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے حسب ذیل انتظامات کئے۔

(۱) صلاحیتیں دیں جس میں مادی و روحانی ۔ تنظیمی و تخلیقی ہمہ قسم کی صلاحیتیں شامل ہیں۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ [۹۵/۴] — ہم نے انسان کو بہترین پیمانہ پر پیدا کیا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا [۲/۳۱] — اور آدم کو "الاسماء" کا علم سکھایا۔

مفسرین نے "الاسماء" کے مختلف معنی بیان کئے ہیں ان میں زیادہ مناسب "حقائق اشیاء" کا علم ہے[۵۱]۔ علم سے اس موقع پر اجمالی علم مراد ہے جس سے صلاحیت کی طرف اشارہ ہے۔

عِلْمًا اِجْمَالِيًّا وَلَيْسَ الْمُرَادُ الْعِلْمُ التَّفْصِيْلِيُّ [۵۲] — اجمالی علم تفصیلی علم مراد نہیں ہے۔

(۲) مقابلہ کے امتحان میں کامیاب بنایا

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ [۲/۳۳] — پھر جب آدمؑ نے انھیں "الاسماء" سے واقف کر دیا

(۳) کائنات کی ساری چیزیں انسان کے تابع کر دیں۔ (عقل و تجربات کی رہنمائی عطا فرما کر انھیں اپنے تابع بنانے کی اہلیت بخشی)

---

۵۱ احکام القرآن ج ۱ ص ۳۳۔ تفسیر مظہری ج ۱ ص ۵۔ ۵۲ تفسیر مظہری ص ۵۔

Marfat.com

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۲

اللہ نے آسمان و زمین کی ساری چیزیں تمھارے تابع فرمان کر دیں۔

(۴) جنت میں "ٹریننگ" کے لئے ایک مدت تک رکھا تاکہ وہاں کے نظام کو اور تعمیر و ترقی کی اسکیموں کو اچھی طرح سمجھ کر نیابت کے فرائض انجام دینے کے قابل بن سکے[۱]

وَقُلْنَا يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ ۲/۳۳

اے آدم۔ تم میاں بیوی جنت میں سکونت کرو اور فراغت و آزادی کے ساتھ جہاں چاہو کھاؤ پیو البتہ اس درخت کے قریب نہ جاؤ ورنہ اپنے آپ پر ظلم کرنیوالے ہو گے۔

کائنات کی امانت انسان کے سپرد ہوئی

اس انتظام و انصرام کے بعد اللہ نے کائنات کی "امانت" انسان کے سپرد کی اور انسان اس بار کے اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا جب کہ دیگر مخلوق نے اپنی عدم صلاحیت کی بناء پر انکار کر دیا تھا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا

ہم نے آسمانوں کے سامنے زمین اور پہاڑوں کے سامنے "امانت" پیش کی ان سب نے اُس کے اٹھانے

---

[۱] تفسیر عزیزی سورہ بقرہ صفحہ ۲۲۵۔

Marfat.com

وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ سے انکار کر دیا لیکن انسان نے
۳۳/۷۲ اس کو برداشت کر لیا۔

مفسرین و متکلمین نے آیت میں عرض امانت" سے عہدۂ تکلیف مراد لیا ہے[۱]۔
غرض کائنات کی چیزیں بطور امانت انسان کے سپرد ہوئی ہیں اور انسان
بطور نائب ان پر قابض اور متصرف بنا ہے۔

عہدۂ نیابت پر بھیجتے وقت کی چند ہدایتیں

مذکورہ انتظامات کے باوجود نیابت کے مقررہ عہدہ پر بھیجتے وقت اللہ نے بھی درجہ ذیل بنیادی ہدایتیں کی تھیں

(۱) دنیا میں مخالف طاقت (شیطان) کا زور ہوگا (جس کا مظاہرہ جنت میں ٹریننگ کے وقت بھی ہو چکا ہے) اس سے ہوشیار رہنا اور دامن بچا کر کام کرتے رہنا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۲/۳۶

(۲) دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا ہے بلکہ ایک مقررہ وقت تک ڈیوٹی دینا ہے اس عرصہ میں وہاں کی چیزوں سے فائدہ اٹھانا لیکن اپنی حیثیت نہ بھولنا۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲/۳۶

(۳) چند ابدی حقائق اور ناقابل تغیر اخلاقی قوانین سکھائے جن میں

---

[۱] "کلمت" کا مفہوم عام رکھنے میں کسی اصول کلیہ پر زد نہیں پڑتی ہے۔ بہت سے مفسرین نے اسکی تفسیر بروجہ دعائیہ الفاظ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الخ سے ہٹ کر مِنْ كَلِمَاتِ الدُّعَاءِ وَالْاِسْتِغْفَارِ وَالتَّضَرُّعِ" وغیرہ الفاظ سے کی ہے جس سے کسی قدر مفہوم کی وسعت ثابت ہوتی ہے۔ البتہ ایسی صورت میں "فَتَابَ عَلَيْهِ" کے محل میں دشواری ہوتی ہے جو اس طرح دور کی جا سکتی ہے کہ "اللہ نے آدم پر توجہ فرمائی یعنی لغزش معاف کر کے عہدہ پر تعینات کر دیا"۔

Marfat.com

جوان کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق اپنی حالت درست کریں گے تو میری ملاقات کے وقت انھیں نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ غم۔ نیز اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ انھوں نے نیابت کے فرائض ٹھیک ٹھیک انجام دیئے ہیں اور اس کے صلہ میں انھیں جنت رجو دنیا سے کہیں اعلیٰ مقام ہے) میں مستقل سکونت کی اجازت دیدی جائے گی۔

لیکن جو لوگ شیطان کی دشمنی کے شکار ہو جائیں گے اور پیغمبروں کے بتائے ہوئے طریق پر نہ چلیں گے تو ان کا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا جہاں انھیں غفلت شعاری اور عیش کوشی کی سزا ملے گی۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۲/۳۹

پیغمبروں نے سیرت سازی کی "فیکٹریاں" قائم کیں اور مادی ترقیات کا رخ بتایا

چنانچہ اس وعدہ کے مطابق مختلف وقتوں میں بہت سے پیغمبر آئے اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ انسان کی نیابتی صلاحیتوں کو ابھارتے رہے دعا و استغفار کے کلمات بھی شامل تھے فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ۲/۳۷

(۴) وقتاً فوقتاً میرے پیغمبر آتے رہیں گے اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ ودیعت کی ہوئی صلاحیت بروے کار لائیں۔

لہ امام غزالیؒ و بیضاویؒ اور شاہ ولی اللہؒ وغیرہ (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۹)

Marfat.com

ان حضرات نے ایک طرف تو سیرت سازی کی فیکٹریاں قائم کیں اور دوسری طرف اپنے معجزات کے ذریعہ بعد کی ہونے والی مادی ترقیات کا رخ بتایا اور ان کی نظیریں پیش کیں۔

وَقَدْ قِيْلَ اِنَّ الْمُعْجِزَاتِ تَتَقَدَّمُ بِمَا يَرْتَقِيْ فِيْهِ الْخَلِيْقَةُ فِيْ مَدَى

مادی ترقیات چونکہ انسان کی غیر محدود خواہشوں اور نئی نئی ضرورتوں کی بنا پر بے حد متنوع اور معاشرہ کے ارتقار کے ساتھ بدلنے والی ہیں اس کے علاوہ پیغمبروں کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ سائنس وطبیعات کے ذریعہ کائنات کی نیرنگیوں کی تحقیقات کرتے پھریں جو عقل انسانی کے قابو میں ہیں۔

بلکہ ان کا اصل منصب یہ ہے کہ خود انسان کو اس کے اصلی رنگ وروپ میں پیش کریں اس کی تخلیقی قوتوں کو فطری صداقتوں کی شاہراہ پر رکھائیں اور فکر وعمل کے صحیح حدود متعین کر کے زندگی میں نظم وضبط اور صلاحیتیں پیدا کرنے کے اصول سمجھائیں تاکہ وہ نیابتی فرائض کی ٹھیک بجا آوری کر سکے۔ اس بنا پر ان حضرات نے مادیات میں صرف مرکز متعین کرنے پر اکتفار کیا ہے اور حالات وزمانہ کے تقاضہ کی مناسبت سے عقل وتجربہ کی رہنمائی کو کافی قرار دیا ہے۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے،

قُلْ اِنَّمَا اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ	آپ کہدیجئے کہ میں تمھیں ایک بات
اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى	سمجھاتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے لئے

Marfat.com

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۳۴/۴۶ کھڑے ہو جاؤ ایک ایک دو دو اور پھر (عالم کی نیرنگیوں میں) تفکر و تدبر کرو۔

ایک مثال کے ذریعہ قدرتی انتظام کی وضاحت

مذکورہ قدرتی انتظام کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جب نئے شخص کو نئے مقام پر اہم ڈیوٹی سپرد ہوتی ہے تو صلاحیت کے امتحان میں کامیابی حاصل کر لینے کے باوجود اسے باقاعدہ ٹریننگ دی جاتی ہے وہاں کی کیفیات و حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے کام کی نوعیت اور مقام کے نشیب و فراز سے واقف کرایا جاتا ہے ان تمام مرحلوں سے گذارنے کے بعد عہدہ پر بھیجتے وقت بھی چند ہدایتیں دی جاتی ہیں اور حکم و احکام کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے بہت سی باتوں کی حال و مقام کی مناسبت سے تفصیلات دی جاتی ہیں اور بہت سی باتوں میں متعلقہ افسر کی عقل و بصیرت پر اعتماد کر کے صرف پالیسی کے تعین پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اب ہم زندگی کے وہ "موثرات" بیان کرتے ہیں جو انسان کی نباتی صلاحیتوں کے بروئے کار آنے میں مفید یا مضر ثابت ہوتے ہیں نیز ان پر کس قدر کس طرح اور کس حد تک قابو پایا جا سکتا ہے اور انھیں کام میں لایا جا سکتا ہے؟،

135247

زندگی کے نفسیاتی مؤثرات

انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے اور بنیادی صلاحیتوں کو ابھارنے کے "نفسیات" کا جاننا بہت ضروری ہے اس کے بغیر صحیح معنوں میں نہ کوئی شخص قومی اور اجتماعی مسائل پر بصیرت حاصل کر سکتا ہے نہ قیادت کر سکتا ہے اور نہ ہی تعلیم و تربیت کا ٹھیک انتظام کر سکتا ہے۔

جدید دنیا نے اس علم (نفسیات) کو مستقل شکل دے کر نہایت شاندار تفصیلی بحث کی ہے یہاں اس پر تفصیلی روشنی ڈالنی مشکل ہے۔ البتہ چند بنیادی باتیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے زندگی کے مسائل حل کرنے اور عروج و زوال کے اصول سمجھنے میں ایک حد تک مدد ملے گی۔

قرآن حکیم میں ابتدائی اور بنیادی درج ذیل چار "مؤثرات" کا ذکر ملتا ہے۔
(۱) فطرت (۲) وراثت (۳) ماحول اور (۴) تربیت۔ ہر ایک کی تعریف اور کسی قدر تفصیل یہ ہے۔

(۱) فطرت

فطرت قبول حق کی قوت و استعداد کا نام ہے	قبول حق کی قوت و استعداد کا نام ہے جو پیدائش کے ابتدائی مرحلہ میں ہر فرد کو منجانب اللہ عطا کی جاتی ہے۔

اس کی حیثیت "تخم" کی سمجھنا چاہیئے جس طرح تخم میں بالقوۃ نشوونما اور درخت بننے کی استعداد موجود ہوتی ہے اسی طرح فطرت میں نشوونمائی اور برگ و باری

Marfat.com

کی استعداد ہوتی ہے۔

فطرت کے اس مرحلہ میں ہر انسان نیک اور صالح ہوتا ہے نیز زندگی کے ہر موڑ اور موقف پر یہ "لائٹ" کا کام دیتی ہے۔ البتہ جب دوسرے مؤثرات کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اس کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے اور زندگی کے احوال میں دوسرے اثرات نمایاں ہو جاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۳۰/۳۰ — اللہ کی وہ تراش جس پر اس نے لوگوں کو تراشا۔[۱]

حضرت شاہ عبد القادرؒ نے فطرت کا ترجمہ "تراش" سے کیا ہے۔ دراصل اس "تراش" ہی میں قبول حق کی استعداد بھری گئی ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۹۶/۴ — ہم نے انسان کو خوب سے خوب اندازے پر پیدا کیا۔[۲]

فطرت کی لغوی تشریح اور محققین کی رائیں

فطرت کے بارے میں محققین کی تصریحات یہ ہیں۔ لغت حدیث کی مشہور کتاب "مجمع البحار" میں ہے۔

"فطر" کے معنی ایجاد کرنا اور گھڑنا یعنی ایجاد و اختراع کے مرحلہ میں انسان جبلت و طبیعت کی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ قبول دین (حق) کی استعداد اس میں ہوتی ہے۔[۳]

"Lexicon" کی لغت میں فطرت کی یہ تعریف ہے۔

---

[۱] ترجمہ شاہ عبد القادر صاحبؒ [۲] حوالہ مذکور [۳] مجمع البحار ج ۳ ص ۸۵۔

Marfat.com

فطرت :۔ بچّہ کی وہ نیچرل کانسٹی ٹیوشن ہے جس پر کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں روحانی لحاظ سے بنایا جاتا ہے۔

"محلّی ابن حزمؒ" نے فطرت کی وہی تعریف کی ہے جو صاحب "مجمع البحار" نے کی ہے۔[۵۱]

امام غزالیؒ کہتے ہیں

"تمام آدمیوں کا جوہر اصل فطرت میں قبول و اصلاح کی لیاقت رکھتا ہے۔ جس طرح ہر لوہا آئینہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے"۔[۵۲]

قاضی بیضاویؒ کہتے ہیں۔

"انسان فطرت پر یعنی قبول حق کی قدرت پر پیدا کیا جاتا ہے"۔[۵۳]

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فطرت کو انسان کی ظاہری و باطنی خصوصیات پر محمول کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ :۔

"انسان کی ظاہری خصوصیت اس کا سیدھا جسم دلکش رنگ اور دلربا صورت ہے وہ اس وصف میں اپنی خاص ہیئت کے ساتھ دوسرے حیوانوں سے ممتاز ہے اسی طرح اس کی باطنی خصوصیت سمجھ بوجھ عقل، اللہ کی معرفت کی طلب، اس کی عبادت کا جذبہ اور زندگی میں انتفاع کی صورتیں وغیرہ اس میں بھر دی گئی ہیں یہ اس کی فطرت ہے"۔[۵۴]

ایک اور موقع پر شاہ صاحبؒ تمام انبیاءؑ کی تعلیمات کا خلاصہ طہارت، اخبات، سماحت اور عدالت میں بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں

وَالْخَالَتُهَا الْمُرَكَّبَةُ منها ان چاروں اوصاف کی ترکیب سے

---

۵۱ ازفیض الباری ج ۱ ۵۲ کیمیائے سعادت عنوان اول ۵۳ بیضاوی ص ۹۶ ۵۴ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۳۳

Marfat.com

تُسمّٰی الفُطرۃ[۱] جو حالت بنتی ہے اس کا نام فطرت ہے

اس بیان سے غالباً شاہ صاحبؒ کا مقصد فطرت کا مزاج سمجھانا اور فطری خواص ورجحانات کی طرف نشاندہی کرنا ہے کیونکہ یہ حالت اور باطنی خصوصیت اسی قوت واستعداد کا نتیجہ ہے جو فطرت کی تعریف میں گزر چکی ہے۔

علامہ انور شاہؒ کشمیری نے فطرت پر نہایت محققانہ بحث کی ہے جس کا خلاصہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہو چکا[۲]

فلسفیوں نے بھی فطرت پر کافی بحث کی ہے۔ مثلاً "روسو" کے نزدیک انسان فطرتاً نیک پیدا ہوتا ہے۔ "پستا لوزی" اپنے دور اول اور دور آخر میں اسی کا قائل تھا[۳]

ان کے علاوہ بعض دوسرے فلسفیوں کے خیالات بھی اسلامی منکرین کے خیالات سے ملتے جلتے ہیں۔

قوت ملکیہ اور قوت بہیمیہ فطرت کے ماسوا محرکات ہیں	یہاں پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ قوت ملکیہ اور قوت بہیمیہ جن کا ذکر حدیثوں میں آتا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ

نے ان پر تفصیلی بحث کی ہے وہ فطرت کے ماسوا نیکی و بدی کے محرکات ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر یانگ "Jung" نے "Persona" اور "Anima" کے نام سے جو بحث کی ہے وہ قوت ملکیہ اور بہیمیہ سے ملتی جلتی ہے نہ کہ فطرت سے[۴] اس وقت یہ دونوں میرے موضوع بحث سے خارج ہیں۔

۱؎ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۳۳ ۲؎ فیض الباری ج ۲ کتاب الجنائز ص ۴۸۴ تا ۴۸۹ ۳؎ ملاحظہ ہو پستا لوزی کا فلسفۂ تمدن و تعلیم ۴؎ شاہ ولی اللہؒ کا فلسفۂ تعلیم۔

(۲) وراثت :-

کچھ خاصیتیں اور صلاحیتیں بذریعہ وراثت نفوذ کرتی ہیں

انسان میں کچھ خاصیتیں اور صلاحیتیں بذریعہ وراثت نفوذ کرتی ہیں جو مزاج اور طبیعت میں دخیل ہوتی ہیں اور سیرت سازی میں اثر انداز ہوتی ہیں جس طرح انسان کی ظاہری صورت ابتدا میں بنتے وقت اثر قبول کرتی ہیں اسی طرح معنوی صورت بھی اثر قبول کرتی ہے۔ اس مرحلہ میں چونکہ والدین زیادہ قریب ہوتے ہیں اس لئے ان کا اثر زیادہ پڑتا ہے پھر ان کے توسط سے تمام ان لوگوں کا جن کا والدین پر اثر ہوتا ہے۔

قرآن حکیم کی درج ذیل آیت میں وراثت کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۱۷/۸۴ ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر[۱]

ڈول ہندی لفظ ہے جس کے معنی ابتدائی صورت، بناوٹ، ڈھانچہ وغیرہ ہیں۔

لفظ شاکلتہ سے استدلال اور لغوی تحقیق

"شاکلتہ" عربی میں شاکل کی مونث ہے جس کے معنی مثل، نظیر۔ مشابہت، مسلک۔ طریقہ۔ مذہب وغیرہ ہیں محاورہ ہے "لَسْتَ عَلٰى شَكْلِيْ وَلَا عَلٰى شَاكِلَتِيْ"[۲] (تو میرے مسلک اور طریقہ پر نہیں ہے) فِيْهِ شَكَلَةٌ اَوْ شَاكِلٌ مِنْ اَبِيْهِ[۳]۔ (اس میں اپنے باپ سے مشابہت ہے)

امام راغب اصفہانیؒ آیت کے معنی یہ بیان کرتے ہیں۔

"ہر ایک عمل کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر (ع) ہر کسے آن کند کز و شاید" یعنی اس

---

[۱] ترجمہ شاہ عبد القادر صاحبؒ [۲] ترجمان القرآن ج ۲ ص ۲۷ [۳] المنجد۔

Marfat.com

سجیہ (بناوٹ) پر کہ جس کا تم نے اسے پابند کیا ہے[1]۔

محققین و مفسرین کی رائیں

محققین اور مفسرین کی رائیں یہ ہیں،

مجاہدؒ نے "شاکلتہ" کی تفسیر "طبیعت" سے کی ہے۔ بعضوں نے وہ عادتیں مراد کی ہیں جن پر انسان کی ترکیب ہوئی ہے "عَلٰی عَادَتِہِ الَّتِیْ اَلِفَھَا" ابوبکر جصاصؒ نے لائق اور مشابہ کے معنی لئے ہیں[2]۔ مدارج السالکین کی شرح منازل السائرین میں بھی یہی معنی مذکور ہیں[3]۔

قاضی بیضاویؒ نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے۔

"ہر آدمی اس طریقہ پر عمل کرتا ہے جو ہدایت و ضلالت میں اس کی حالت کے مشابہ ہوتا ہے اور اس طریقہ پر عمل کرتا ہے جو جوہر روح اور مزاج بدن کی حالتوں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے[4]۔"

علامہ ابوحیان اندلسیؒ کہتے ہیں۔

"شاکلتہ" کے معنی اس طریقے اور روش کے ہیں جو انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے[5]۔"

فراء نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں[6]۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کہتے ہیں۔

عَلٰی شَاکِلَتِہٖ اَیْ طَرِیْقَتِہِ الَّتِیْ جُبِلَ عَلَیْہِ[7] — اپنے اس طریقہ پر جس پر اس کی جبلت کی گئی ہے۔

---

[1] لغات القرآن [2] احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۲۵۵۔ [3] منازل السائرین ج ۲ ص ۲۰ [4] بیضاوی ص ۹ [5] البحر المحیط جلد ۶ ص ۶۸ از لغات القرآن۔ [6] حوالہ بالا [7] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۲۲۰

ان تمام تصریحات سے بواسطہ یا بلا واسطہ مذکورہ بالا بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

قوموں کے آبا و اجداد کے تذکرہ سے وراثت پر استدلال

زیر بحث آیت کے علاوہ قرآن حکیم میں کئی مقام پر بگڑی ہوئی قوموں (یہود و نصاریٰ وغیرہ) کے آبا و اجداد کا تذکرہ ہے جس سے موجودہ لوگوں کی روش پر استدلال کیا گیا ہے۔

اس طریقۂ استدلال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کچھ صلاحیتیں اور خاصیتیں بذریعۂ وراثت یقیناً منتقل ہوتی ہیں۔ جن کا اثر طرز معاشرت رسم و رواج وغیرہ زندگی کے مظاہر پر بھی پڑتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر آبا و اجداد کے تذکرہ کے کوئی خاص معنی نہیں رہ جاتے ہیں۔

ذیل کی چند آیتوں میں وراثت کے اثرات کی طرف اشارہ ہے۔

قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۵/۱۰۴

وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔

قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا۔ ۲/۱۰۷

وہ کہتے ہیں کہ ہم اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر اپنے بڑے بوڑھوں کو چلتے ہوئے پایا۔

وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ ۴۳/۲۳

ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین و آئین پر پایا انھیں کے نقشِ قدم کی ہم اقتدا کرتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ مذکورہ آیتوں میں ماحول کے اثرات پر روشنی پڑتی ہے لیکن وراثت کے ثبوت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

چند حدیثوں سے وراثت کا ثبوت

چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے وراثت کا ثبوت ملتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ[1] — لوگوں کی مثال کان جیسی ہی سونے اور چاندی کے کانوں کی طرح (ان کانوں سے مختلف قسم کے لوگ نکلتے ہیں)

یہ تشبیہ نہایت دور رس اور نتیجہ خیز ہے اصلاح و تربیت کے مسائل حل کرنے میں اس سے کافی مدد ملتی ہے۔

اَلْوُدُّ يَتَوَارَثُ وَالْبُغْضُ يَتَوَارَثُ[2] — دوستی اور دشمنی کے نشانات وراثۃً چلتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار جذبات کے سلسلہ میں لوگوں کی مختلف قسمیں بتائی ہیں اس سے بھی وراثت پر روشنی پڑتی ہے مثلاً غصہ کے بارے میں آپ نے فرمایا

(۱) بعض کو جلد غصہ آتا ہے اور جلد ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

(۲) بعض کو دیر میں غصہ آتا ہے اور دیر میں ٹھنڈا ہوتا ہے۔

(۳) بعض کو دیر میں غصہ آتا ہے اور جلد ٹھنڈا ہوتا ہے۔

(۴) بعض کو جلد غصہ آتا ہے اور دیر میں ٹھنڈا ہوتا ہے[3]۔

---

[1] مسلم و مشکوٰۃ کتاب العلم [2] کنز العمال [3] ترمذی و مشکوٰۃ۔

Marfat.com

حقوق کی ادائیگی اور فرائض مطالبہ کے بارے میں آپنے فرمایا

(۱) بعض ادائیگی میں نرم اور مطالبہ میں سخت ہوتے ہیں۔

(۲) بعض ادائیگی میں برے اور مطالبہ میں نرم ہوتے ہیں۔

(۳) بعض ادائیگی میں اچھے اور مطالبہ میں بھی اچھے ہوتے ہیں۔

(۴) بعض ادائیگی میں برے اور مطالبہ میں بھی برے ہوتے ہیں[۱]۔

اجتماعیات کے چند اقتباس وراثت کے ثبوت میں اجتماعیات کے چند اقتباس یہ ہیں عملی زندگی کے موثرات کی تین قسمیں ہیں (۱) آباء واجداد کا گذشتہ سلسلہ خاندان کا اثر (۲) ماں باپ کا اثر (۳) ملک جغرافیائی حدود آب وہوا اور گرد وپیش کی چیزوں کا اثر۔

"قوم صرف مادیات میں اپنے اسلاف کی پیروی نہیں کرتی بلکہ وہ ان کے جذبات واحساسات سے بھی متاثر ہوتی ہے"۔

"اخلاق ایک موروثی چیز ہے اور وراثت کو صرف وراثت ہی زائل کرسکتی ہے[۲]"۔

اجتماعیات ونفسیات" کے بعض ماہرین نے وراثت کو سب سے زیادہ قوی مؤثر قرار دیا ہے لیکن کسب وریاضت کا قانون اتنی اہمیت تسلیم کرنے کے واسطے تیار نہیں ہے۔ ان ماہرین کے پاس زیادہ تر وہ تجربے ہیں جو رصد گاہوں میں چوہے۔ بندر وغیرہ حیوانات پر کیئے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ انسان کے بارے میں ہر موقع پر یہ تجربے کس طرح قطعی اور حتمی قرار دیئے جاسکتے ہیں؟ قرآن حکیم نے انسان کو جس نگاہ اور بندی کے ساتھ دیکھا ہے تحقیقات کی دنیا کے پاس

---

[۱] ترمذی ومشکوٰۃ [۲] انقلاب الامم ص ۹ و ۱۳۔

Marfat.com

نہ وہ بلندی ہے اور نہ وہ نگاہ پھر کیسے دونوں میں توازن کی توقع ہوسکتی ہے؟

(۳) ماحول :-

انسان ماحول کی تمام چیزوں سے متاثر ہوتا ہے

انسان شعوری وغیر شعوری طور پر ماحول کی تمام چیزوں سے متاثر ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ تأثر مزاج اور طبیعت میں دخیل بن جاتا ہے جس کا اثر اعمال و اخلاق میں نمایاں ہونے لگتا ہے۔

ماحول کی دو قسمیں ہیں (۱) مادّی اور (۲) اجتماعی۔ مادّی ماحول میں زندگی کی ضروریات اور تفریحات داخل ہیں زمین۔ مکان۔ باغ۔ دریا۔ نہر۔ چشمہ۔ فضا آب و ہوا وغیرہ۔

اجتماعی ماحول میں تمدن اور مدنیت کو پیدا کرنے والی تمام چیزیں داخل ہیں مدرسہ۔ تعلیم۔ اخلاق۔ اذکار و عقائد۔ ادب۔ فن پیشہ وغیرہ۔

قرآن حکیم سے ماحول کا ثبوت

مادّی ماحول کا ثبوت۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۵۸

جو پاکیزہ شہر ہے وہاں رب کے حکم سے سبزہ نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس سے ناقص ہی نکلتا ہے۔

اجتماعی ماحول کا ثبوت۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۱۶

جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے "مترفین" کو "حکم تکوینی" دیتے ہیں پس وہ نافرمانی میں سرگرم ہوجاتے ہیں جس کی بنا پر عذاب کا

Marfat.com

قانون اُن پر لاگو ہوتا ہے اور
پھر ہم پا داش عمل میں انھیں ہلاک
کر ڈالتے ہیں۔

آیت میں "مترفین" سے تمام وہ لوگ مراد ہیں جن کا عوام پر اثر پڑتا ہے خواہ وہ مذہبی و سیاسی لیڈر ہوں یا سرمایہ دار و خوش حال لوگ ہوں۔ عوامی مقبولیت کی وجہ سے تربیت و اصلاح کے مخاطب اولین ہمیشہ یہی لوگ رہے ہیں اور اپنے مفاد کی وجہ سے اس راہ میں رکاوٹیں بھی انھوں ہی نے پیدا کی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ماحول کا ثبوت:۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے مادی ماحول کا ثبوت:۔

إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدْرِ الْأَرْضِ فَجَاءَ مِنْهُمُ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ بَيْنَ ذٰلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ[1]

اللہ نے دنیا کے ہر حصہ سے مٹھی بھر خاک لی اور اس سے آدم کو پیدا کیا اس لئے انسان زمین کے اختلاف سے مختلف رنگ اور مختلف اخلاق کے پیدا ہوئے بعض سرخ بعض سفید بعض سیاہ اور بعض متوسط درجہ کے اسی طرح بعض نرم مزاج بعض سخت مزاج بعض اچھے اور بعض برے۔

[1] ترمذی و ابوداؤد۔

Marfat.com

مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا [1] — جس نے دیہات میں سکونت اختیار کی اس میں سختی آ گئی۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے اجتماعی ماحول کا ثبوت۔

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ أَوْ يُنَصِّرَانِهٖ أَوْ يُمَجِّسَانِهٖ [2] — ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین (ماحول) یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا ڈالتے ہیں۔

فلسفۂ اجتماع کے ماہرین کی رائیں

ماحول کے اثرات کے بارے میں فلسفۂ اجتماع کے ماہرین کے چند اقتباس درج ذیل ہیں۔

ابن خلدون کہتے ہیں۔

"انسان کے جسم اور اخلاق پر اقلیم۔ درجۂ حرارت۔ آب و ہوا۔ قحط و ارزانی وغیرہ تمام چیزوں کا اثر پڑتا ہے" . . . . . .

"تین چیزیں اجتماع سے الگ ہونے کے باوجود اس پر بہت اثر کرتی ہیں (۱) اقلیم، (۲) جغرافیائی ماحول اور (۳) مذہب" [3]

ڈاکٹر لیبان نے مادی ماحول کو کمتر درجہ کا مؤثر قرار دیتے ہوئے صرف اس صورت میں اثر تسلیم کیا ہے جب کہ قوم اپنے دور تکوین میں ہو اور قدیم موروثی اخلاق کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا ہو۔

البتہ اس نے اجتماعی ماحول کو کافی اہمیت دی ہے۔ مثلاً مذہب کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ

---

[1] ابوداؤد و ترمذی [2] بخاری و مسلم [3] مقدمہ ابن خلدون المقدمۃ الخامسہ۔

Marfat.com

"تاریخ کے ابتدائی زمانہ سے آج تک ہر نظام حکومت اور ہر نظام تمدن کا سنگ بنیاد مذہبی عقائد کی سطح پر رکھا گیا ہے"۔۔۔۔۔۔

مذہب اس سرعت کے ساتھ اخلاق پر اثر ڈالتا ہے کہ اس معاملہ میں عشق کے سوا اور کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے[1]۔

لیبان کے علاوہ قدیم وجدید فلسفیوں (ارسطو۔ بقراط۔ ابن سینا۔ ادیب۔ جاحظ۔ کندی۔ مؤرخ مسعودی، مونٹسکیو وغیرہ) نے مادی ماحول کو کافی اہمیت دی ہے[2]۔

پستانوری کہتا ہے۔

"ہم نے جہاں تک دیکھا انسان کو اپنے ماحول کے اثر سے بنتے دیکھا"[3]

جہاں تک واقعات ومشاہدات کا تعلق ہے ماحول کا اثر وراثت سے زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ وراثت بھی ماحول سے کافی متاثر نظر آتی ہے جن خاصیتوں اور صلاحیتوں کو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ بذریعۂ وراثت آئی ہیں اگر ان کی تحلیل کی جائے تو بیشتر حصہ ماحول کا پیدا کردہ دکھائی دے گا۔

(۴) تربیت :۔

تربیت کا مقصد ضبط نفس کی طاقت پیدا کرنا اور غلط اثرات سے بچنا ہے

حالات ومزاج کے اختلاف کی بنا پر تربیت کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں اس لئے کسی خاص صورت پر بحث کرنی مشکل ہے البتہ اس کے اثرات اور مقصد پر بحث ہو سکتی ہے۔

---

[1] انقلاب الامم ص ۱۳ و ۲۸ و ۱۳۰ و ۱۳۱ [2] ملاحظہ ہو ابن خلدون از ڈاکٹر طٰہٰ [3] فلسفۂ تمدن وتعلیم۔

فلسفیوں نے تربیت کے مختلف مقاصد بیان کئے ہیں مثلاً افلاطون۔ ارسطو۔ مونتسکیو کے نزدیک ایسے افراد تیار کرنا ہے، جو بہترین حکومت مرتب کر سکیں۔ ابن خلدون اور اسپنسر کے نزدیک ایسے اشخاص تیار کرنا ہے جو زندگی اچھی طرح بسر کر سکیں۔

قرآن حکیم کی نظر میں تربیت کے دو ہیں (۱) ضبط نفس اور جذبات و خیالات پر حکومت کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ (۲) وراثت کے غلط اثرات سے بچنے اور ماحول پر قابو پانے کی ہمت ہو تاکہ نیابت کے فرائض ٹھیک ٹھیک انجام دے سکے

قرآن حکیم میں تربیت کی بنیاد یہ آیت ہے:۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ	اللہ ہی نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ	میں کا ایک رسول بھیجا جو لوگوں کو
اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ	اللہ کی آیتیں سناتا ہے کتاب و حکمت
وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ	کی تعلیم دیتا ہے اور ان کو پاک
۶۲/۲	وصاف کرتا ہے۔

آیت میں "تزکیہ" سے عقائد و خیالات کی صفائی اور اعمال و اخلاق کی درستی دونوں مراد ہیں۔ یعنی غلط نظریات و عقائد سے شیشۂ دل اور آئینہ دماغ کی صفائی کر کے صحیح اصول و نظریات ان کی جگہ بٹھائے جائیں اسی طرح برے اخلاق و گندے اعمال سے ہٹا کر اچھے اعمال و عمدہ اخلاق کا خوگر بنایا جائے۔

تربیت کے ذریعہ اوصاف و خصائص کے استعمال کا رُخ بدل سکتا ہے

رہی یہ بات کہ تربیت کا اثر کس حد تک ہوتا ہے؟ اس کو فنی اصطلاحات سے ہٹ کر اس طرح سمجھنا چاہیئے۔ انسان میں دو قسم کی صفتیں پائی جاتی ہیں (۱) وہ

Marfat.com

جن کا تعلق مزاج اور طبیعت سے ہے مثلاً غصہ اور شہوت کی کمی بیشی، ذکاوت و ذہانت کند ذہنی، قوت یادداشت اور معاملہ فہمی وغیرہ۔

یہ صفتیں انسان کی سرشت اور خمیر میں داخل شمار کی جاتی ہیں قدیم اصطلاح میں انھیں "جبلت" کہا جاتا ہے اور جدید اصطلاح کے مطابق یہ نفسیاتی بنیادیں"۔

اس قسم کی صفتوں میں تبدیلی تقریباً ناممکن ہے ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ غصہ اور شہوت کو تربیت کے ذریعہ ختم کر دیا جائے یا کند ذہن کو اعلیٰ قسم کا ذہین بنا دیا جائے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ان کے استعمال کا رخ پھیر دیا جائے اور ایک حد تک ان میں نکھار پیدا کر دی جائے جس سے مظاہرہ کی شکلیں بدل جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل حدیث میں انھیں صفتوں کی طرف اشارہ ہے۔

اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ	جب تم کسی پہاڑ کے بارے میں
عَنْ مَّكَانِهٖ فَصَدِّقُوْهُ وَاِذَا	سنو کہ وہ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو
سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَيَّرَ عَنْ	صحیح مان لو لیکن کسی انسان کے
خُلُقِهٖ فَلَا تُصَدِّقُوْا بِهٖ	بارے میں سنو کہ اس کی خلقت بدل
فَاِنَّهٗ يَصِيْرُ اِلٰى مَا جُبِلَ	گئی تو صحیح مانو کیونکہ بالآخر وہ اپنی
عَلَيْهِ[1]	جبلت کی طرف پھر لوٹ آئے گا

مطلب یہ ہے کہ کوئی جبلی صفت بالکلیہ ختم ہو کر اس کی جگہ دوسری نہیں آسکتی ہے لیکن اگر ان کے استعمال کا رُخ پھر جائے اور مظاہرہ کی شکلیں بدل جائیں تو وہ اس حدیث کے خلاف نہ ہوگا۔

---

[1] مشکوٰۃ

Marfat.com

مشق وعادت چھوڑی جاسکتی ہے

(۲) جن کا تعلق مزاج اور طبیعت سے تو نہیں ہے لیکن بار بار کرنے سے ایسی مشق وعادت ہو گئی ہے کہ گویا طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔

ایسی صفتیں انسان کی اختیاری ہیں جس طرح قصد وارادہ سے عادت ڈالی گئی ہے اسی طرح جبر وسختی کے ذریعہ عادت چھوڑی جاسکتی ہے۔[1]

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمان سے یہی حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ	لوگ سونے اور چاندی کی کانوں
الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ	کے مثل ہیں جو زمانہ جاہلیت میں
فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ	اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے
فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا	ہیں جب انھوں نے تفقہ حاصل کیا۔

کلام عرب میں فقہ اور تفقہ کا استعمال عموماً وہاں ہوتا ہے جہاں قلبی بصیرت اور ضمیر: وجدان کی۔ بیداری کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں اسی بنا پر قرآن حکیم کی آیت

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ۱۷۹ ان کے پاس دل ہیں مگر تفقہ سے خالی ہیں

میں منکرین حق کی اس سمجھ بوجھ سے انکار کیا گیا ہے جس کا تعلق قلب سے ہے (بسا اوقات انسان عقل وخرد کی بلندی پر پہنچنے کے باوجود قلبی بصیرت سے محروم رہتا ہے)۔ اگر تربیت سے اوصاف وخصوصیات کے استعمال میں تبدیلی نہ تسلیم کی جائے تو اِذَا فَقِهُوا کی قید حدیث میں بے کار ہوتی ہے۔ صحابۂ کرامؓ کی زندگی میں رسول اللہ

---

[1] کشف الظنون واخلاق جلالی ص ۲۱ تا ۴۰۔

کی تربیت کا جو اثر ظاہر ہوا تھا وہ یہی تھا کہ صلاحیتوں اور خاصیتوں کے استعمال کرنے کے مواقع بدل گئے تھے۔ سوچنے سمجھنے کے ڈھنگ میں تبدیلی ہوگئی تھی۔ ورنہ حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ وغیرہ وہی تھے جو اسلام سے پہلے تھے۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تربیت کا اثر دونوں قسم کی صفتوں میں ظاہر ہوتا ہے پہلی میں استعمال کا رخ پھرتا ہے مظاہرہ کی شکل بدل جاتی ہے اور دوسری میں مشق و عادت چھوٹ جاتی ہے۔

جسمانی ساخت پر ذہنی ساخت کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے

یہاں اس شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جب جسمانی تربیت سے جسم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے تو ذہنی تربیت سے ذہن میں بھی تبدیلی نہ ہونی چاہیئے اس لئے کہ انسان کی ذہنی ساخت قوت ارادی کی بنا پر جسمانی ساخت سے کہیں زیادہ لچکدار اور جذب و انجذاب کو قبول کرنے والی ہے اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ جسم اپنی سختی اور بے لوچ ہونے کے باوجود جسمانی تربیت سے ایک حد تک سڈول اور خوشنما بن جاتا ہے ایسے ہی جسم کے کسی حصّہ کو غلط استعمال کرتے رہنے کی وجہ سے وہ بے ڈول اور کسی قدر بدنما ہو جاتا ہے جب مشق اور عادت سے جسم میں یہ تبدیلی مسلم ہے تو ذہن اور نفس میں ذہنی اور نفسی تربیت سے مذکورہ تبدیلیاں تسلیم کرنے میں کون سی دشواری ہے؟ اصل یہ ہے کہ جب انسان کی ٹھیک تربیت ہوتی ہے تو داخلی و خارجی غلط اثرات کے پردے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں اور انسان کا وہ فطری شعور و وجدان بیدار ہو جاتا ہے جو ابتدائی مرحلہ میں ہر انسان کو بلا تفریق منجانب عطا کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اعمال و افعال میں فطری حالت کا مظاہرہ ہونے لگتا ہے۔

Marfat.com

لیکن اس کے لئے ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو نفسیات کی ماہر ہو اور انسانی مقام و مزاج کی اوا شناس ہو۔ اگلے باب میں ہم قائدین کے اوصاف و خصائص بیان کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ نباتی صلاحیتوں کے بیدار کرنے غلط اثرات پر قابو پانے اور فکر و عمل کی صحیح حد مقرر کرنے کے لئے کس قسم کی قیادت درکار ہے نیز قرآن حکیم نے قیادت کے اہم کام کو کس بلندی سے دیکھا ہے؟

Marfat.com

قائدین کی تربیت اور اوصاف و خصائص

"قائدین" چونکہ روحوں اور دلوں کی بستیاں الٹ کر ان میں ایمان و اعتقاد کی قوت بھرتے ہیں اور ذہنی و اخلاقی استعداد کی تربیت کر کے فکر و عمل کی نئی دنیا بساتے ہیں اس لئے قوم کی روح اور جان دراصل یہی حضرات ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جب تک قوم کو صحیح قیادت نہ میسر ہو اس وقت تک نہ اُس کی ٹھیک تنظیم و تربیت ہو پاتی ہے اور نہ ہی وہ نیابت کے مقدّس فرائض کی بجا آوری کے قابل بنتی ہے۔

جس طرح گاڑی چلانے کے لئے جب تک تجربہ کار ڈرائیور نہ ہو اس وقت تک نہ اسٹیم (جذبات) کی طاقت منزل مقصود پر پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی لائن (نفس) کی درستی و ہمواری کچھ مفید بنتی ہے۔

قرآن حکیم نے اس سلسلہ میں انبیاء کرام کی زندگی کا نقشہ پیش کیا ہے وہ اپنی معنویت کے لحاظ سے قیادت کے نہایت اونچے مرتبہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے یہاں ہم ان میں سے چند بنیادی باتیں بیان کرتے ہیں۔

وہ چھ ہیں :-

(۱) تربیت (۲) صلاحیت (۳) فنائیت (۴) عملیت (۵) اخلاقیت (۶) قوت استدلال و بیان۔ قرآن حکیم کی روشنی میں ہر ایک کی بالترتیب تفصیل

حسب ذیل ہے[1]:

قائدین کی تربیت کی دو صورتیں ہیں

(۱) پہلی تربیت ہے۔

دوسروں کی تربیت کرنے سے پہلے خود قائدین کی تربیت ہونی ضروری ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) کسی قائد کی قیادت میں رہ کر انسانی مزاج اور حالات کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقفیت حاصل کی ہو۔ موقع کے لحاظ سے بعض جذبات کو دبانے اور بعض کو بروئے کار لانے کی ٹریننگ پائی ہو۔ سطح سے ہٹ کر گہرائی پر نظر ڈالنے اور تقلید و جمود کی جگہ تنقیدی شعور سے کام لینے کی مشق ہو۔ ماضی کی عظمتوں سے محض عقیدت رکھنے کے بجائے ان کی محرکات اور روح کو سمجھا ہو اور حال کی پر فریب امیدوں میں گم ہونے کے بجائے صحیح زاویۂ نگاہ متعین کرنے کا انداز سیکھا ہو۔ غرض اس طرح ان کی تربیت ہوئی ہو کہ ہر موقف اور ہر موڑ کو سمجھ کر صحیح راہ عمل تلاش کر سکتے ہوں۔

(۲) قائد کی قیادت تو نہ میسر آئی ہو لیکن زندگی کے حالات کچھ اس قدر مختلف گذرے ہوں کہ زمانہ خود معلم بن گیا ہو۔ گرد و پیش کے ماحول نے غور و فکر کی نئی نئی راہیں پیدا کی ہوں اور ان میں قطع و برید کر کے انسانی مزاج اور اس کی ضروریات کو سمجھنے میں کامیاب ہو گئے ہوں، مختلف المزاج لوگوں کے ساتھ معاملت نے زندگی

---

[1] اجتماعیین نے لیڈروں کے اعمال و خصائص پر کافی بحث کی ہے جس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں ہے یہاں ہم اس لئے گریز کر رہے ہیں کہ قرآن حکیم نے جس باریک بینی اور دقیقہ رسی سے کام لے کر اس بحث کو بلندی پر پہنچایا ہے ان کے یہاں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ ۱۲۔

Marfat.com

یں اس قدر سموائی پیدا کر دی ہو کہ ضبط و تحمل کے ساتھ ہر مکتب خیال کے لوگوں میں کام کر سکتے ہوں اور انھیں ایک مرکز پر جمع کر سکتے ہوں یعنی قدرتی طور پر ان کی ایسی تربیت ہوئی ہو کہ ذہن و دماغ کا ایک خاص سانچہ اخلاق و عمل کا ایک خاص نقشہ اور احوال و ظروف کا ایک خاص انداز سامنے آگیا ہو۔

انبیاء کرام کی زندگی میں دونوں کی مثالیں ملتی ہیں

تربیت کی مذکورہ دونوں صورتوں کی مثالیں انبیاء کرام کی زندگی میں بکثرت ملتی ہیں بعض کی تربیت کسی دوسرے نبی کے پاس کی گئی تھی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو حضرت شعیبؑ کے پاس مدین بھیجا گیا اور وہاں بکریاں چرانے کی ڈیوٹی سپرد کی گئی اور بعض کی حالات و مقامات کی مناسبت سے قدرتی طور پر کی گئی تھی مثلاً یوسف علیہ السّلام کو جن حالات سے دوچار ہونا پڑا اور جس قدر کڑی آزمائشوں سے انھیں گذارا گیا وہ سب ایک خاص مقام تک پہنچانے اور قیادت کی استعداد پیدا کرنے کے لئے تھا۔

اسی طرح بالعموم انبیا علیہم السّلام کا ان حالات سے گذرنا جو عام لوگوں کو نہیں پیش آتے ہیں۔ عمر کا کافی حصّہ گذرنے کے بعد نبوت کے عہدہ سے سرفراز کیا جانا نیز نبیؑ کے ذمہ بکریاں چرانے کی ڈیوٹی سپرد ہونا۔ؑ حضرت موسیٰ علیہ السلام

ع بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے پوچھا گیا

أَكُنْتَ تَرْعَى الْغَنَمَ قَالَ نَعَمْ وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا رَعَاهَا۔ (مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ)

کیا آپ (نبوت سے پہلے) بکریاں چرتے تھے فرمایا "ہاں" کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ (باقی حاشیہ ص ۴۴ پر)

Marfat.com

کا کتاب ملنے سے پہلے روزہ کی حالت میں کوہ طور پر رہنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روزہ رکھ کر ایک سنسان جنگل میں عرصہ تک رہنا خود رسول اللہؐ (فداہ ابی و امی) کا نبوت سے پہلے غار حرا میں عزلت گزینی اختیار کرنا اور فکر و مراقبہ اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہنا وغیرہ یہ سب تربیت کے لئے تھا۔

یہاں اس شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ نبوت کسبی شے ہے جس تک انسان تربیت کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے وہ یقیناً وہبی شے ہے جس میں انسان کے قصد و ارادہ اور سعی و عمل کو کوئی دخل نہیں ہے البتہ نشانہ نبوت کے مطابق یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ وحی کی استعداد پیدا کرنے اور عملی شکل میں متشکل کرنے کے لئے مختلف قسم کے ریاضیات و مجاہدات کے ذریعہ نبی کی تربیت کی جائے۔

قرآن حکیم سے قائدین کی تربیت کا ثبوت

قائدین کی تربیت کے سلسلہ میں یہ آیت خاص اہمیت رکھتی ہے۔

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۲۰/۴۱ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ

اے موسیٰ۔ ہم نے تمہیں ہر طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا پھر کئی برس تک تم مدین کے لوگوں میں رہے بالآخر تم ایک مقررہ اندازہ پر پورے اتر آئے پھر ہم نے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳) بکریاں چرانے سے جذبات کی کیسی تربیت ہوتی ہے اور قیادت قوم کی تربیت کے لئے "رعایت شاہ" کس قدر موزوں ہے؟ اس کو وہی لوگ ٹھیک سمجھ سکتے ہیں جو بکریوں کی "نفسیات" سے واقف ہیں یا اس کام کا انھیں کچھ تجربہ ہے۔

Marfat.com

تمہیں اپنے (خاص کام کے لئے) منتخب کر لیا۔

"علیٰ قدر" سے ثابت ہوتا ہے کہ قیادت قوم کے لئے ایک خاص سانچہ اور انداز کے مطابق بننے کے بعد قدرت کی جانب سے انتخاب ہوتا ہے۔

مفسرین نے "علیٰ قدر" کے یہ معنی بیان کئے ہیں۔

قَدَّرْنَا لَكَ سَبِيلَ الْمَعْرِفَةِ	ہم نے تیرے واسطے معرفت کے راستہ
وَوَقْتَهَا فَجِئْتَ عَلَىٰ ذٰلِكَ	اور اس کے وقت کا اندازہ کیا پس تو
الْقَدَرِ[1]	اس اندازہ کے مطابق پورا اترا
عَلَىٰ حَدٍّ مِنَ الْكَمَالِ الْمُقَدَّرِ	اپنی استعداد کے مطابق کمال مقدر
بِحَسْبِ اسْتِعْدَادِكَ[2]	کی حد پر تو پہنچ گیا۔

دوسری آیت سے مذکورہ مفہوم کی اشارۃً تائید ہوتی ہے۔

قُلْ لَّوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ	آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں
عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرٰىكُمْ بِهٖ	قرآن تمہیں نہ سناتا اور نہ اس سے
فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ	خبردار کرتا پھر اس معاملہ (نبوت)
قَبْلِهٖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ . . .	سے پہلے تم لوگوں میں ایک پوری
16/17	عمر بسر کر چکا ہوں کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

علماء اخلاق و نفسیات کا اتفاق ہے کہ انسان کے ابتدائی چالیس سال کا زمانہ اخلاق و خصائل کے بننے اور ابھرنے کا زمانہ ہوتا ہے۔

نیز جذبات کے ماہرین کی رائے ہے کہ انسانی دماغ کا نشو و نما چالیس

---

[1] تفسیر عرائس البیان ج ۲ ص ۳۲ [2] تفسیر محی الدین ابن عربی ج ۲ صـ ۳۶۔

Marfat.com

سال کی عمر میں تکمیل کو پہنچ جاتا ہے[1]

اس اصول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک لوگوں میں رہے خاص سانچہ کے مطابق آپ کی تربیت ہوئی اور خاص اندازہ کے مطابق اعمال و اخلاق کی ڈھلائی ہوئی پھر نبوت کے اعلان کا حکم ہوا۔

(۲) دوسری صلاحیت ہے۔

قائدین میں کام اور مقام کی مناسبت سے صلاحیت ہونی چاہیئے

قائدین میں صلاحیت ان کے کام اور مقام کی مناسبت سے ہونی چاہیئے وہ دراصل روح اور دل کے طبیب ہوتے ہیں ان کا کام مزاج اور طبیعت کی اصلاح ہے۔ ذہنیت اور زاویۂ نگاہ کی تبدیلی ہے اس بنا پر ان میں ایسی صلاحیت درکار ہے کہ وہ مزاج اور وقت کی اہم ضروریات کو سمجھ سکیں اور تشخیص و تجویز کے مراحل طے کر کے باقاعدہ تربیت کے ذریعہ انسان کو نیابتی فرائض کی بجا آوری پر لگا سکیں۔

روحانی طبیب کا معاملہ بالکل جسمانی طبیب جیسا ہے کہ اس کے پاس ایک ہی مرض کے دو مریض آتے ہیں ایک کے لئے وہ سرد اور گرم غذا تجویز کرتا ہے اور دوسرے کے لئے اس کے برعکس۔ مقصد ایک ہے طبیعت میں قوت مدافعت پیدا کر کے مرض دفع کرنا لیکن مزاج کے اختلاف کی بنا پر دوا اور غذا کی تجویز میں اختلاف ہوتا ہے۔

قائدین کی صلاحیت کے لئے قرآن حکیم میں دو لفظ نہایت موزوں

---

[1] فلسفۂ جذبات ص ۴۰۔

Marfat.com

آئے ہیں (۱) حکمت ... (۲) تاویل الاحادیث ۔

لفظ حکمت سے صلاحیت پر استدلال

تقریباً سبھی انبیاء علیہم السّلام کے تذکرہ میں حکمت کا ذکر ملتا ہے اور درج ذیل آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکمت دوسرے انسانوں کو بھی عطا ہوتی ہے ۔

یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا [۲۶۹]	اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت کی دولت مل گئی تو سمجھو کہ بڑی دولت مل گئی ۔

امام راغب اصفہانی حکمت کی تعریف میں کہتے ہیں

وَالْحِکْمَۃُ اِصَابَۃُ الْحَقِّ بِالْعِلْمِ وَالْعَقْلِ [۱]	علم اور عقل کے ذریعہ سچی اور صحیح بات کو پہنچنا حکمت ہے ۔

لسان العرب میں ہے ۔

وَالْحِکْمَۃُ عِبَارَۃٌ عَنْ مَعْرِفَۃِ اَفْضَلِ الْاَشْیَاءِ بِاَفْضَلِ الْعُلُوْمِ [۲]	افضل اور بہترین چیزوں کو بہترین علوم کے ذریعہ جاننا حکمت ہے ۔

مفسرین کی تعریحات درج ذیل ہیں ۔

(۱) "حکمت" ہر شے کو اس کے مناسب محل میں رکھنے کی صلاحیت "وَضْعُ کُلِّ شَیْءٍ مَوْضِعَہٗ"

(۲) حقائق اشیاء کی معرفت "مَعْرِفَۃُ الْاَشْیَاءِ بِحَقَائِقِھَا"

(۳) حق و باطل کے درمیان فیصلہ کی قوت "اَلْفَصْلُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ"

---

[۱] مفردات القرآن ص۱۲۷ [۲] لسان العرب ج ۱۵ از سیرۃ النبی ج ۴ ۔

(۴) قول اور عمل میں درستی کو پہنچنا "اَلْاِصَابَةُ فِی الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ"۔ درلِّہٖ

(۵) وہ معارف و احکام جن سے نفوسِ انسانی کمال کو پہنچیں۔ "مَا یُکَمِّلُ نُفُوْسَهُمْ مِنَ الْمَعَارِفِ وَالْاَحْکَامِ"

ان کے علاوہ بھی بہت سے معنیٰ مفسرین سے منقول ہیں مثلاً

(۶) انوارِ قلوب کی معرفت اور اسرارِ غیوب سے واقفیت (۷) نفس اور شیطان کی دقیقہ رسی سے آگاہی (۸) شیطانی اور انسانی تقاضوں میں امتیاز کی قوت (۹) عقل کی رہنمائی اور قلب کی بصیرت (۱۰) برائیوں کی صحیح نشاندھی کر کے علاج کی صحیح تدبیریں (۱۱) مخلوق کے احوال کا علم (۱۲) خاص قسم کی فراست (قیافہ شناسی) وغیرہ۔[۲]

علامہ ابن مسکویہؒ نے حکمت کے تحت یہ چیزیں بیان کی ہیں۔

ذکاوت و ذہانت۔ سرعتِ فہم۔ قوتِ فہم۔ ذہن کی صفائی۔ عقل کی رسائی۔ سہولتِ تعلم۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ

وَبِهٰذِهِ الْاَشْيَاءِ يَكُوْنُ حُسْنُ الْاِسْتِعْدَادِ لِلْحِكْمَةِ[۳]	انھیں چیزوں کے ذریعہ حکمت کی حسن استعداد پیدا ہوتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حکمت ایسی قوت کا نام ہے کہ اس کے ذریعہ حقائق کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور ہر شئے کو مناسب محل میں رکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے حکمت حاصل ہونے کے بعد انسان کی توجہ اخلاقِ انسانی کی تہذیب پر مرکوز ہو جاتی ہے اور ساری جدوجہد انسان کا اصلی مقام واپس دلانے میں صرف ہونے لگتی ہے۔

---

[۱] تفسیر خازن ص۲۰۳ و تفسیر مظہری ص۲۸۳ [۲] عرائس البیان فی حقائق القرآن ص۶۵ [۳] تہذیب الاخلاق ص۵

Marfat.com

تاویل الاحادیث سے صلاحیت پر استدلال	"تاویل الاحادیث" کا تذکرہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ذیل میں آیا ہے۔

وَیُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ . . . . . . اور تیرا رب یہ سکھلانے والا ہے کہ باتوں کا مطلب اور تفہیم کیونکر ٹھہرایا جائے۔ [۱۲/۶]

قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر بھی "تاویل" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی "شئے کو اصل کی طرف رجوع کرنا اور اصل مقصد کی طرف لوٹانا ہیں"۔[۱]

"زجاج" نے "تاویل الاحادیث" کا یہ مطلب بیان کیا ہے۔

"اقوال انبیاء کے مصداق کو جاننا احوالِ امم کے مآل کو سمجھنا اور کتب منزلہ کے مفہوم و مطالب کو پہنچنا"۔[۲]

"ابن زید" نے اس سے علم و حکمت مراد لیا ہے۔[۳]

خلاصہ یہ کہ علم و بصیرت کی ایسی قوت عطا ہو کہ انسان معاملہ کی کنہ تک پہنچ جائے۔ بات کے مطلب اور مآل کو پالے امور اور مہمات کے بھیدوں کا روشناس بن جائے غرض ہر الجھی ہوئی گتھی کو اس طرح سلجھا دے کہ ساری باتوں کا کل درست ہو جائے۔

"فی العلم والجسم" سے صلاحیت پر استدلال	درج ذیل آیت میں صراحۃً قیادت کی صلاحیت بیان ہوئی ہے۔

---

[۱] ملاحظہ ہو مفردات القرآن اور حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ج ۲ [۲] تفسیر خازن ج ۳ ص ۵ الف۔

Marfat.com

وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔ ۲/۲۴۸ اللہ نے علم اور جسم دونوں میں طالوت کو وسعت دی۔

جو لوگ مال و دولت کی وسعت اور خاندانی شرافت میں قیادت کی صلاحیت سمجھتے تھے آیت میں اللہ نے اُس کی تردید فرمائی اور اس کے لئے دو چیزیں ضروری قرار دیں (۱) علم کی قوت اور (۲) جسم کی قوت (دماغی وجسمانی قابلیت)

علم سے کوئی خاص قسم کا اصطلاحی علم مراد نہیں ہے بلکہ کام اور مقام کی مناسبت سے ذہانت و فراست اور فہم و تدبر وغیرہ کی استعداد مراد ہے اسی معنی میں بعض انبیاء کو ابتدا ہی سے علیم کے خطاب کے ساتھ نوازا گیا تھا حالانکہ علم (وحی الٰہی) کا سلسلہ نبوت کے عالی مقام پر فائز ہونے کے بعد شروع ہوا تھا۔ مثلاً وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ۵۱/۲۸ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ۱۵/۵۳

ایسے ہی جسم سے اس کی لمبائی چوڑائی مقصود نہیں ہے بلکہ صورت و سیرت کا اعتدال اور اندرونی قویٰ کی پختگی و مضبوطی مراد ہے۔ فرائض قیادت کی انجام دہی میں اِن دونوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ کردار کی بلندی کے ساتھ انسان کی ظاہری صورت کا پرکشش ہونا بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اندرونی قویٰ کی پختگی کے بغیر تو کوئی مسند قیادت سنبھالنے کا اہل ہی نہیں قرار دیا جاتا۔

امام فخر الدین رازیؒ نے اسی بنا پر آیت میں علم و جسم دونوں سے وہ کمالات حقیقیہ مراد لئے ہیں جو جوہر انسانی کو حاصل ہوتے ہیں اور انسانیت

Marfat.com

کو فروغ دیتے ہیں۔[۴]

(۳) تیسری فنائیت ہے۔

فنائیت یہ ہے کہ قائدین کے دل و دماغ میں نظریۂ حیات سے عشق سمایا ہوا ہو

فنائیت کا مطلب یہ ہے کہ قائدین جس نظریۂ حیات کی قوم کو دعوت دیں وہ ان کے دل و دماغ میں اس قدر رچ بس گیا ہو کہ اب کسی اور کی گنجائش نہ ہو۔ اسی سے عشق ہو اور اسی کی نشر و اشاعت کو ہر شے سے زیادہ محبوب رکھتے ہوں۔ نہ کسی مصیبت کی انھیں پرواہ ہو اور نہ کوئی توقع اس راہ سے ہٹا سکتی ہو۔ انبیاء کرامؑ کی زندگی فنائیت کے اونچے سے اونچے نمونہ کی مثال پیش کرتی ہے۔ خود داعی انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف ہر بڑی سے بڑی تکلیف گوارا کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ سے ہر اونچی سے اونچی خواہش کی تکمیل کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود آپ فرماتے ہیں کہ "اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیا جائے جب بھی میرے پائے استقامت کو لغزش نہ آئے گی"۔

فنائیت کے چند اثرات جو قائدین کی زندگی میں نمودار ہونے چاہئیں

ذیل میں فنائیت کے چند اثرات ذکر کئے جاتے ہیں جو قائدین کی زندگی میں نمودار ہونے چاہئیں۔
(۱) ارادہ[۵] میں پختگی (۲) عزم میں مضبوطی (۳) مقصد

---

۴ تفسیر کبیر ص ۲۸۰۔

۵ خواہش اور ارادہ میں فرق ہے ارادہ ایک فعلی اور کارکن کیفیت و حالت کا نام ہے اور خواہش ایک انفعالی اور کار پذیر حیثیت ہے (مقالہ افادیت از جان اسٹوارٹ مل) ارادہ کے لئے عمل شرط ہے بلکہ ارادہ کی انتہا عمل کی ابتدا ہوتی ہے (فلسفۂ نفس قدم ربانی ص ۵۲ پر)

Marfat.com

کے ساتھ والہانہ شغف (۴) مجسمہ ایثار و قربانی (۵) ذاتی حیثیت ختم کر کے ساری جدوجہد اور قوت کا مصرف نفع عام (۶) خلوص و بے غرضی (۷) اقتدار عزت، شہرت مال و جائداد کی ہوس غرض کسی فائدہ کا سامنے نہ ہونا۔

قرآن حکیم میں جتنے انبیاء کا تذکرہ ہے تقریباً سب نے بے غرضی اور قوم سے کسی قسم کی ذاتی فائدہ کی توقع نہ رکھنے کا اعلان کیا ہے۔ چنانچہ ہر نبی نے اپنی قوم سے کہا

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پ ۱۹	میں اپنی خدمتوں کا کوئی معاوضہ تم سے نہیں چاہتا میری مزدوری اللہ کے ذمہ ہے۔

(یعنی میری حیثیت تاجر (سیاسی لیڈر) کی نہیں ہے کہ توقعات قوم سے وابستہ رکھوں۔ بلکہ داعی و قائد کی ہے کہ سارا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

ممکن ہے قائدین کی یہ حیثیت ان فلسفیوں کی سمجھ میں نہ آئے جنھوں نے انسان کو بالطبع خودغرض قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ "انسان کے سارے کام نفع ذات کے لئے ہوتے ہیں حتیٰ کہ ماں باپ کی محبت بھی خودغرضی سے خالی

(بقیہ حاشیہ ص ۵۱) علماء اخلاق کی رائے ہے کہ انسان کا مستقبل وراثت اور ماحول سے کہیں زیادہ اس کے ارادہ پر موقوف ہے۔ ارادہ کے مختلف درجے ہیں کسی کا فطرۃً قوی ہوتا ہے کسی کا کمزور اور کسی کا متوسط درجہ کا جسم کی طرح ارادہ بھی تربیت کے ذریعہ کمزور سے ایک حد تک قوی اور قوی سے قوی تر بنایا جا سکتا ہے لیکن اس تربیت کے لئے بہترین زمانہ بچپن کا زمانہ ہے ترقی یافتہ ممالک میں کچھ لوگ تیسرے چوتھے برس سے ہی بچہ کی حتی المقدور ایسی تربیت شروع کر دیتے ہیں۔ ۱۲

Marfat.com

نہیں ہوتی ہے۔

لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جو کچھ انھوں نے کہا وہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے؟ اور ان کی تحقیقات پر انسانی دنیا کے سارے مسائل ختم ہو گئے ہیں اب مزید تحقیق کی کوئی گنجائش نہیں باقی ہے؟ اگر ہم فلسفیوں کی اس تحقیق کو تسلیم کر لیں جب بھی کوئی دشواری نہیں پیش آتی ہے کیونکہ قائدین کے پیش نظر مادی و دنیوی غرض نہیں ہوتی ہے حقیقی غرض (اللہ کی رضا و محبت) بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے اسی کو "وجہ اللہ" "سبیل اللہ" "مرضات اللہ" سے تعبیر کیا ہے،

نہایت اہم اثر یہ ہے کہ تکلیف و مصیبت میں عیش و راحت کی لذت محسوس کریں	قائدین کی زندگی میں فنائیت کا ایک اور اثر ظاہر ہوتا ہے جو نہایت اہم ہے اور غالباً فلسفیوں کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکی ہے وہ یہ کہ اس

راہ کی تکلیفیں اور مصیبتیں ان کے لئے عیش و راحت کی نئی لذت بن جاتی ہیں جس قدر مصیبتیں بڑھتی جاتی ہیں اسی قدر دل کی خوشحالی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ذیل کی حدیث میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُّ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ۔[1]	اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ ہوں اور قتل کیا جاؤں

[1] بخاری وغیرہ۔

پھر زندہ ہوں اور قتل کیا جاؤں۔

مسرت اور خوشی انسانی جبلّت میں داخل ہے چنانچہ فلسفیوں کے نزدیک انسان کبھی ایسی چیز کی خواہش ہی نہیں کرتا جو مسرت کا جزء یا اس کے حاصل ہونے کا ذریعہ نہ ہو۔[1]

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ قائدین کو مسرت کن چیزوں سے حاصل ہوتی ہے؟ سامان مسرت کس قسم کے ہیں؟

(۴) چوتھی عملیت ہے۔

عملیت یہ ہے کہ قائدین نظریۂ حیات کو بروئے کار لانے کے لئے سرتاپا عمل بن جائیں

عملیت یہ ہے کہ نظریۂ حیات کو بروئے کار لانے کے لئے قائدین سرتاپا عمل بن جائیں اُن کے سامنے راہ کی مشکلات اور رکاوٹیں اس لئے نہ ہوں کہ پائے استقلال کو لغزش آجائے اور اُٹھا ہوا قدم رک جائے بلکہ اس لئے ہوں کہ وہ ان کے ذریعہ کام کی رفتار اور تیز کر سکیں۔

قائدین اور مفکرین کے کاموں میں فرق ہے۔ قائدین کا کام خیالات و افکار پیدا کر کے انھیں بروئے کار لانے کے لئے سرتاپا عمل بن جاتا ہے اور مفکرین کا کام صرف خیالات و افکار کا پیدا کر دینا ہے۔ قائدین کا فرض یہ ہے کہ نظریۂ حیات کے پھیلانے اور دنیا سے منوانے میں اپنی پوری قوت صرف کر دیں اور مفکرین کا فرض یہ ہے کہ وہ خود سمجھ لیں اور زیادہ سے زیادہ دوسروں تک پہنچا دیں یہ واقعی بات ہے کہ فکر و عمل میں جامعیت کی مثالیں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔

---

[1] مقالہ افادیت ص ۱۶ و ۴۹ از جان اسٹوارٹ مل۔

Marfat.com

اسی بنا پر اجتماعیین کا خیال ہے کہ

"لیڈر عموماً ایسے افراد نکلتے ہیں جن کے اعصاب مریض قوائے عقلی مختل اور جنون کے قریب ہوتے ہیں۔ اعصاب کی بے حسی ان کے جذبات کو مردہ کر دیتی ہے اور قوائے عقلی کا اختلال انھیں غور و فکر کی اجازت نہیں دیتا۔"[1]

لیڈروں کی اس کمزوری سے انکار نہیں ہے البتہ قائدین میں دونوں قوتوں کا ثبوت انبیاء کرامؑ کی زندگی سے ہمیں ملتا ہے۔ یہ حضرات اگر ایک طرف دماغی لحاظ سے اتنے زیادہ بلند تھے کہ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے تو دوسری طرف عمل کے ہر میدان میں بھی پیش پیش دکھائی دیتے تھے۔

قرآن حکیم اور انبیاء کرامؑ کی زندگی سے عملیت کا ثبوت

جن اجتماعیین کا خیال ہے کہ ذہن و ذکاوت اور فہم و فراست میں انبیاء علیہم السّلام ممتاز نہ تھے صرف مضبوط عزم کی بنیاد پر دنیا ان کے آگے جھکی ہے۔ انھوں نے ان کی زندگی کے صرف ایک رُخ کا مطالعہ کیا ہے اس میں شک نہیں کہ مضبوط عزم پہاڑ جیسی طاقت کو ہٹا سکتا ہے نمرود و فرعون جیسی سرکش گردن کو موڑ سکتا ہے لیکن کسی انقلاب کو بقاء اور دوام کی سعادت سے بہرہ یاب نہیں کر سکتا ہے یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ انقلاب کے رگ و ریشہ میں فہم و فراست پیوست کی گئی ہو۔ آج جو ان کے مذہب کو بقاء و دوام کی سعادت حاصل ہے اس کی وجہ صرف ان کا فہم و تدبر ہے جو منجانب اللہ انھیں عطا ہوا تھا ورنہ نہ معلوم مضبوط عزم کی بنا پر دنیا

---

[1] روح الاجتماع ص ۱۳۸۔

میں کتنے انقلاب آئے اور ختم ہو کر رہ گئے۔

عملیت کا ثبوت ان آیتوں میں ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ	جو لوگ اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے
وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ	ہیں وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں
اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	اس کے سوا کسی اور سے نہیں
۔ ۔ ۔ ۔ $\frac{۳۳}{۳۹}$	ڈرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے دھڑک پیغام ربانی پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا۔

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا	اے پیغمبر آپ کے رب کے پاس سے
اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ۔	جو کچھ اترا ہے اُسے آپ پہنچا دیجئے۔
وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ	اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پیغام
رِسَالَتَہٗ ۔ ۵	پہنچانے کا فرض ادا نہ کیا۔

بدقسمتی سے انبیار کرامؑ کی اتباع و پیروی کے نام پر زیادہ تر وہی باتیں باقی رہ گئی ہیں جن سے جذبات اور ہوا و ہوس کی تسکین ہوتی ہے اس وجہ سے ان کی حقیقی زندگی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے ورنہ کوئی موڑ کوئی موقف اور کام کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جس میں یہ موجود نہ رہے ہوں۔ اس کے علاوہ آج ہماری زندگی کچھ اس طرح تقسیم ہو گئی ہے کہ انسان کسی کے بارے میں سوائے ایک حالت کے دوسری حالت کے متعلق خیال ہی نہیں کر سکتا ہے اس لئے جب بھی ان بزرگوں کی عملی زندگی کا تذکرہ آتا ہے تو ہمارے

Marfat.com

تنگ دماغ اور کوتاہ نظریں ان کو اصلی شکل میں دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں۔

(۵) پانچویں اخلاقیت ہے۔

قائدین کی اخلاقی زندگی نہایت منظم ہونی چاہیئے

اخلاق میں تسخیر قلوب کی صلاحیت ہوتی ہے اس لئے قائدین کی اخلاقی زندگی اتنی منظم اور بلند ہونی چاہیئے کہ کسی کو کسی گوشہ میں اس لحاظ سے لب کشائی کا موقع نہ ملے۔ عالی حوصلگی فراخدلی۔ اولوالعزمی۔ بلند نظری، مستقل مزاجی وغیرہ صفتیں ان کی زندگی میں نمایاں ہوں۔ دیانت داری، امانت شعاری، حق پرستی، حق گوئی وغیرہ صفتوں کے وہ خوگر ہوں۔ ان کی سخاوت سے سب مستفیض ہو سکیں۔ شفقت ورافت میں کسی کی خصوصیت نہ ہو۔ تواضع ہر ایک کو اپنی گود میں لینے کے لئے تیار ہو۔ سموائی اس قدر ہو کہ ہر مکتب خیال کے لوگوں میں قدر مشترک تلاش کر کے اپنا کام نکال لیں۔ اور ہر ایک کے مقام و حیثیت کو تسلیم کر کے اپنی بات منوا لیں۔

غرض بحیثیت مجموعی ہمہ قسم کے اخلاق ان میں موجود ہوں (۱) وہ بھی جن کا تعلق ادراک سے ہے (۲) وہ بھی جن کا تعلق جذبات سے ہے (۳) اور وہ بھی جن کا تعلق ارادہ سے ہے۔

انبیاء کرام کے اخلاق بجائے خود معجزہ اور نبوت کی بڑی دلیل ہوتے ہیں

انبیاء کرامؑ کی اخلاقی زندگی اتنی بلند تھی کہ وہ بجائے خود معجزہ اور نبوت کی بڑی دلیل تھی۔ قرآن حکیم میں ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ — اے پیغمبر یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ

لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ .... — آپ لوگوں کے لئے نرم دل واقع ہوئے ہیں اگر سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ [۳/۱۵۴]

دنیا جانتی ہے کہ مکہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تکلیفیں پہنچانے اور آپ کے مشن کو ناکام بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔ اس کے باوجود جب آپ مدینہ تشریف لائے اور مکہ کے دشمن قحط میں مبتلا ہوئے تو حسب ذیل طریقوں پر ان کی مدد فرما کر انتہائی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا۔

(۱) یمامہ سے جو رسد جاتی تھی حسب سابق اس کو جاری کر دیا۔

(۲) غربار و فقرار کی امداد کے لئے پانچ سو اشرفیاں روانہ کیں۔

(۳) ضرورت کے مختلف سامان کھجور وغیرہ ابوسفیان کو بھیج کر اس کے معاوضہ میں جانوروں کی کھالیں طلب کیں تاکہ درآمد و برآمد کا صحیح توازن قائم رہ سکے[۱]

قرآن حکیم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت کا مرقع تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس میں دراصل سیرت و کردار کی فضیلت اور اس کی اٹل کامرانیاں بتانا مقصود ہے نیز یہ حقیقت کہ انسان کی سب سے بڑی قوت اس کے سیرت کی فضیلت ہے اور قلوب کے مسخر کرنے کی اس میں زیادہ صلاحیت

---

[۱] اسلام کا زرعی نظام ص ۸۳۔

Marfat.com

قائدین کو ہر وقت جذبات قابو میں رکھنا چاہیے

ذیل کی آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قائدین کو ہر وقت جذبات پر قابو رکھنا چاہیے مصیبتوں کے کتنے ہی پہاڑ ٹوٹیں مخالفتوں کی کیسی ہی آندھیاں چلیں نہ تو وہ مایوس ہوں اور نہ ہی دل میں طلب بھلائی کے سوا کسی اور جذبہ کو جگہ دیں۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۲/۱۲۳	اے پیغمبر آپ کو دشمنوں کے معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے آپ کا کام راہ حق کی دعوت دینا ہے اللہ چاہے تو ان سے درگزر کرے اور چاہے تو عذاب دے اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔

یہ اس صورت کی بات ہے کہ دشمنوں نے جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت توڑ دیئے تھے۔ چہرہ و سر کو زخمی کر دیا تھا اور شہید کر دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اتفاقاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے۔ "کَیْفَ یُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْہَ نَبِیِّهِمْ"[۵] وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو لہولہان کیا"۔ بات کوئی قابل اعتراض نہ تھی صرف حقیقت حال کا اظہار تھا لیکن یہ اظہار ایسے حادثہ کے بعد تھا جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کو پیش آیا تھا جس میں ذاتیات کی آمیزش کا شبہہ تھا اس بنا پر ایک خاص انداز میں تادیب کی گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قائدین

---

۵ جلالین ص ۵۸۔

Marfat.com

کو اپنی ذاتی حیثیت کس قدر ختم کرنی پڑتی ہے؟ اور مخلوق کے لئے وہ کس قدر وقف ہوتے ہیں۔

قوت استدلال وبیان یہ ہے کہ موقع ومحل کے لحاظ سے قائدین مخاطب کو سمجھا سکیں	(٦) چھٹی قوتِ استدلال وبیان ہے۔ قائدین میں ادائیگی وبیان کی ایسی قوت ہونی چاہیئے کہ اپنے خیالات کو اپنے زمانہ کی اصطلاح وزبان کے مطابق موثر انداز میں مخاطب کی طرف منتقل کرسکیں۔

ہر زمانہ میں خیالات کی ادائیگی۔ طرز گفتار۔ اسلوب تحریر اور طریقہ استدلال وغیرہ میں فرق ہوتا ہے۔ سب مخاطب بھی یکساں نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے تحریر وگفتگو کو موثر بنانے کے لئے تمام حیثیتوں کی رعایت ضروری قرار دی جاتی ہے۔

انداز بیان اور طریق نمائش۔ اگر حالات ونفسیات کے مطالعہ کے ساتھ ہوں تو وہ اپنے اندر جادو جیسا اثر رکھتے ہیں "اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا" (بعض بیان جادو جیسی تاثیر رکھتے ہیں)

موقع اور محل کے لحاظ سے اس کی چند صورتیں ہیں۔

(١) کبھی حاکمانہ انداز اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے (٢) کبھی حکیمانہ انداز سے کام چلتا ہے۔ (٣) کبھی تاکید سے کام نکلتا ہے (٤) اکثر تکرار کی ضرورت پڑتی ہے (٥) کبھی صرف دعویٰ کافی ہوتا ہے (٦) کبھی دعوی کے ساتھ دلیل لازمی بن جاتی ہے (٧) کبھی غیر شعوری طور پر دوسرے کی طرف اثر منتقل کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ بہرحال یہ ایک مستقل فن ہے جس کے لئے

Marfat.com

نفسیات و مزاج کا سمجھنا اور موقع و محل کی نزاکت سے واقف ہونا بہت ضروری ہے۔

قرآن حکیم اور انبیاء کرامؑ کی زندگی سے ثبوت	انبیاء کرامؑ کی زندگی میں مذکورہ تمام باتوں کی مثالیں موجود ہیں البتہ اس نظر سے مطالعہ کی

ضرورت ہے۔

موسیٰ علیہ السّلام نے قوت استدلال و بیان کے لئے اس طرح دُعا کی تھی۔

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۔ اے اللہ میری زبان کی گرہ

يَفْقَهُوا قَوْلِي ۔۔۔ ۔۔ کھول دے کہ میری بات لوگوں کے

۔۔۔ ۔۔ ۲/۲۸ دلوں میں اتر جائے۔

قرائن سے یہ بات ثابت ہے کہ یہاں بیان کی وہی صلاحیت مراد ہے جو قیادت کے فرائض انجام دینے کے لئے درکار ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے نمرود کو دعوت پہنچانے میں جو طریقہ اختیار کیا تھا اس سے واضح ہوتا ہے کہ موقع کے لحاظ سے فہمائش کا جو طریقہ مناسب ہو وہی اختیار کیا جائے اور جہاں تک ہو سکے مشاہدات سے کام لے کر سادگی ملحوظ رکھی جائے۔

یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ قائدین کا مقصد مخاطب کو سمجھا دینا ہونا چاہیئے جس طرح بھی ہو مخاطب کو دلیلوں کے الجھاؤ میں پھنسانا یا کسی خاص دلیل پہ اڑ کر بولتے بولتے ناطقہ بند کر دینا قیادت و دعوت کی راہ کے خلاف ہے۔

Marfat.com

قیادت و دعوت کی راہ کے چند بنیادی اصول

ذیل میں ہم چند اصول ذکر کرتے ہیں جن پر عمل درآمد کرنا قائدین کے لئے ضروری قرار دیا جاتا ہے۔

(۱) ابتدا میں قوم کو صرف انھیں باتوں کی دعوت دی جائے جو بنیادی ہوں قرآن حکیم میں ہر نبی کی دعوت میں مثبت و منفی کے دو بنیادی پہلو ذکر کئے گئے ہیں (۱) اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ۱۶/۳۶ اے لوگو تم اللہ کی عبادت کرو۔ (۲) وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۱۶/۳۶ اور طاغوت (غیر اللہ طاقتیں) سے پرہیز کرو۔

(۲) حتی الامکان ہر ایک کے مقام اور حیثیت کی تصدیق کر کے قدر مشترک پر جمع کرنے کی کوشش ہو۔ ہر نبی نے دوسرے نبیوں کی تصدیق کی ہے اور ابتدا میں قوم قدر مشترک پر جمع ہو جانے کی دعوت دی ہے جیسا کہ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ اور يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ وغیرہ آیتوں سے ظاہر ہے۔

(۳) بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چھوٹی چیزوں کو قربان کر دینا چاہیئے۔

(۴) تالیف قلب کا حتی الامکان خیال رکھنا چاہیئے۔

(۵) کسی ایسی چیز سے تعرض نہ کرنا چاہیئے جو زیادہ اہم نہ ہو لیکن قومی رغبت کی بنا پر اس کی وجہ سے نفرت کا اندیشہ ہو۔

نوویؒ شارح مسلم نے مذکورہ اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل طرز عمل سے اخذ کئے ہیں۔

"حطیم" خانہ کعبہ کا ایک حصہ تھا اور کعبہ سے علیحدہ تھا اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس کو کعبہ کے ساتھ شامل کرنے کا حکم نہیں دیا اور اس کی وجہ یہ فرمائی

لَوْ لَا حَدَاثَةُ عَهْدِ قَوْمِكِ	اگر تیری قوم نئی نئی کفر سے اسلام
بِاللّٰہِ لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ	کی طرف نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ
وَلَجَعَلْتُهَا عَلٰی اَسَاسِ	توڑ کر اساس ابراہیم پر اس کی
اِبْرَاهِيْمَ [1]	تعمیر کرتا اور حطیم اس میں شامل کرتا

(۶) ان باتوں سے اعراض وچشم پوشی کی جائے جو عوام میں انتشار و افتراق کا باعث بنیں یا ان کی وجہ سے سماجی زندگی مختل ہونے کا اندیشہ ہو۔ ظاہر ہے کہ کسی قوم کے رسم و رواج جو صدیوں سے چلے آرہے ہوں وہ دفعۃً نہیں مٹائے جاسکتے ہیں بلکہ رفتہ رفتہ اصلاحی قدم اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً غلامی اسلامی روح اور مزاج کے خلاف ہے جن لوگوں نے تحقیق و بصیرت کی روشنی میں اسلامی معاشرہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلام ایک لمحہ کے واسطے بھی غلامی کو برداشت نہیں کرسکتا ہے۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخی کا حکم نہیں صادر فرمایا اگر آپ ایسا کردیتے تو سماجی زندگی مختل ہوجاتی اور انسانوں کا ایک بڑا طبقہ کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی گذارنے پر مجبور ہوجاتا نہ کھانے پینے کا کوئی بند و بست رہتا اور نہ رہنے سہنے کا البتہ آپ نے اس رسم کے دور کرنے کی آہستہ آہستہ کوشش کی چنانچہ اس کی متفرق تدبیریں بتائیں اور مختلف صورتیں پیدا کیں نیز سوسائٹی میں انھیں اتنا اونچا مقام دلایا کہ غلامی آقائی میں تبدیل ہوگئی۔

آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش کو

---

[1] مسلم ج ۱ ص ۴۲۹،

آخری حد تک لے جانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا لیکن پھر اس تعلیم کی غایت کو نظر انداز کر دیا گیا اور سلطنتوں نے بعض دیگر باتوں کی طرح غلامی کو بھی قائم رکھا اگرچہ اس کی نوعیت میں کافی تبدیلی ہو گئی۔

اصل یہ ہے کہ کسی فکری و عملی نظام پر تحقیقی نظر ڈالنے کے لئے مقامی و عہدی حالات کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے۔ آج کے دماغ اور آج کی فضا کو سامنے رکھ کر ہزاروں سال پہلے کے اجتماعی اور سماجی اصلاح کے مسائل پر تنقیدیں شروع کر دی جاتی ہیں نہ اس وقت کے حالات کا پتہ ہوتا ہے اور نہ مزاج کا۔ ایسی حالت میں صحیح نتیجہ تک نہ پہنچنا ظاہر ہے۔

(۷) جہاں ابتدا میں قائدین کے لئے مذکورہ اصول کی رعایت کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے وہاں حالات کی مناسبت سے انھیں سخت قسم کی پابندی عائد کرنے کا اختیار بھی حاصل ہوتا ہے مثلاً عارضی طور پر قوم کو ان مباح اور جائز باتوں سے بھی وہ روک سکتے ہیں۔ جن کے استعمال سے برائی تک پہنچنے کا اندیشہ ہو یا غلط استعمال کی وجہ سے وہ برائی کا ذریعہ بن گئی ہوں اگرچہ ان کی ذات میں کوئی برائی نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ مصلحت کی وجہ سے شراب کے برتنوں کے استعمال سے روک دیا تھا اور عورتوں کو زیارت قبور سے منع فرما دیا تھا پھر بعد میں اجازت دیدی تھی۔

اسی طرح یہودیوں کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے وہ چیزیں ان کے لئے حرام کر دی گئی تھیں جو پہلے حلال تھیں۔

Marfat.com

قرآن حکیم میں ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۴/۱۵۹

یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے کئی ایک اچھی چیزیں ان پر حرام کر دیں جو (پہلے) ان کے لئے حلال تھیں اور نیز اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکنے لگے تھے۔

غرضیکہ طریق کار کے انتخاب میں بہت حد تک گنجائش رکھی گئی ہے اور قائدین کے صوابدید پر معاملہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ ان چند ضروری مباحث کے بعد اب ہم قوموں کے عروج و زوال کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

عروج وزوال کی "زمین" اور اسکی بنیاد

دنیا میں قوموں اور جماعتوں کی باہمی کشمکش ہمیشہ جاری رہی ہے۔ اس کشمکش کے نتیجہ میں آج کوئی قوم وجماعت برسر اقتدار ہے تو کل اس کی جگہ دوسری نے لے لی ہے پھر زیادہ دن نہیں گذرنے پائے ہیں کہ اس نے کسی اور کے لئے جگہ خالی کر دی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس کے پس پشت کچھ قوانین و اسباب کارفرما رہوتے ہیں؟ یا یہ محض بخت و اتفاق کی بناء پر ہوتا ہے؟

اس کا جواب فلسفہ سے ہمیں یہ ملتا ہے کہ چونکہ علت و معلول کی دنیا میں کوئی شئے اتفاقاً بلا سبب نہیں ہوتی ہے اس لئے یہاں ہر تبدیلی کے لئے سبب و علت کا پایا جانا ضروری ہے۔

قرآن حکیم نے قوموں کے تذکرہ میں فلسفۂ تاریخ کی طرف رہنمائی کی ہے اور تاریخی واقعات کے ذیل میں اجتماعی قوانین۔ اخلاقی خصوصیات اور عقائد و اعمال کے خواص و نتائج وغیرہ بیان کئے ہیں۔ ان سے بھی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ یہاں جو کچھ ہوتا ہے "مقررہ قوانین" کے ماتحت ہوتا ہے بخت و اتفاق کی بناء پر کسی شئے کے ہونے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

قرآن کی خاص اصطلاحی زبان میں ان قوانین کو لفظ "سُنّۃ" سے تعبیر

Marfat.com

کیا گیا ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۳۳/۶۲

یہ اللہ کی سنت ان لوگوں میں جو پہلے گذر چکے ہیں اللہ کی اس سنت میں آپ کسی قسم کی تبدیلی نہ پائیں گے۔

عروج یا زوال کی تخم ریزی سب سے پہلے "انفس" میں ہوتی ہے

ذیل میں ہم اس زمین کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں عروج و زوال کی تخم ریزی ہوتی ہے۔

قرآن حکیم میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۱۳/۱۱

بے شک اللہ کبھی اس حالت کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کو حاصل ہوتی ہے جب تک وہ خود ہی ان چیزوں کو نہ بدلیں جو اُن کے "انفس" کے ساتھ وابستہ ہیں۔

دوسری آیت یہ ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ ۸/۵۳

یہ بات اس لئے ہوئی کہ اللہ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرماتا ہے اسے وہ اس وقت تک نہیں بدلتا جب کہ اس قوم کے افراد ان چیزوں کو نہ بدلیں جو ان کے "انفس" کے ساتھ وابستہ ہیں۔

Marfat.com

دونوں آیتوں میں "انفس"[عہ] کی تبدیلی کو مدار قرار دیا گیا ہے یہی دراصل وہ "زمین" ہے جہاں سب سے پہلے عروج یا زوال کی تخم ریزی ہوتی ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ انقلاب عروج کی طرف ہو یا زوال کی طرف اس کے دو درجہ ہیں (۱) ذہنی و نفسی انقلاب کا۔ (۲) عملی و اخلاقی انقلاب کا۔ پہلے کا تعلق اندرونی تبدیلی سے ہے اور دوسرے کا تعلق بیرونی تبدیلی سے ہے یعنی جب کوئی قوم ترقی کی منزلیں طے کرتی ہے تو ابتدا میں اندرونی قوتوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ افکار و احساسات اور تصورات زندگی وغیرہ بدلتے ہیں پھر "جواہر" کی نشو و نما ہو کر رفتہ رفتہ عملی طور پر زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

جب کسی قوم پر ذلت و ادبار مسلط ہوتی ہے تو پہلے اندرونی قوتیں خراب ہوتی ہیں فکر و نظر میں تبدیلی ہوتی ہے پھر رفتہ رفتہ وہ "جراثیم" پیدا ہو جاتے ہیں جو زندہ رہنے کی اہلیت فنا کر دیتے ہیں۔

آیات کا ماحصل یہ ہے کہ قوم میں جب تک عروج اور اقتدار کی نعمت سے سرفراز ہونے کی صلاحیت رہتی ہے قدرت اس نعمت کو سلب نہیں کرتی۔ اور جب یہ ختم ہو جاتی ہے تو نعمت سلب کر لی جاتی ہے۔

ایسی ہی کوئی قوم اخلاق و اعمال کے ذریعہ جب تک استحقاق نہیں ثابت کر دیتی یہ مقام اس کو نہیں دیا جاتا ہے اور جب مستحق ہونے کا ثبوت مل جاتا ہے تو پھر قدرت تجمل سے کام نہیں لیتی ہے

عہ جرمن کے مشہور فلسفی "نٹشے" نے "نفس" کی تعریف میں کہا ہے کہ خیالات و احساسات کی تہہ میں ایک زبردست حاکم اور ایک نامعلوم فلسفی پوشیدہ ہے جسے نفس (سلف) کہا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں "انفس" سے ایک "عالم" مراد ہے جس میں تمام وہ قوتیں ہیں جن کا اثر کسی نہ کسی شکل میں انسانی اعمال و حرکات پر پڑتا ہے چنانچہ ایک موقع پر "انفس" کو عالم "آفاق" کے ساتھ اسطرح ذکر کیا ہے "سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ" ۴۲/۵۴

Marfat.com

دنیا ایک باغ ہے جو باغبان خلق خدا کے لئے باغ کو زیادہ مفید بنانے کا اہل ہوگا وہی مستحق ہوگا

اس کی مثال بالکل یوں سمجھیے کہ دنیا ایک "باغ" ہے اور مالک کے سامنے "باغ" کے آراستہ کرنے کا ایک نقشہ ہے جس میں اس بات کی پوری کوشش ہے کہ خلق خدا کے لئے یہ باغ زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو۔

مالک کو ایسے باغبان کی تلاش ہے جس نے ٹھیک ٹھیک اس نقشہ کے مطابق باغ کو آراستہ کرنے کی مشق کی ہو۔ جب تک یہ نہ ملے گا حسب حیثیت وصلاحیت باغ کی سپردگی کا سلسلہ جاری رہے گا اور جب مذکورہ قسم کا باغبان مل جائے گا تو "حق" صاحبِ حق تک پہنچا دیا جائے گا۔

اس کی تصریح درج ذیل آیت سے ہوتی ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ	اللہ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے
اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ	نالے ندیاں اپنی مقدار کے مطابق
السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا	بہنے لگیں اور سیلاب کی "رو" نے اوپر
يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ	اوپر جھاگ پیدا کر دیا ایسی جھاگ
ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ	اس وقت بھی پیدا ہوتی ہے جب کہ
مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ	زیور اور دوسری چیزیں بنانے
الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ	کے لئے دھاتوں کو آگ میں پگھلاتے
فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا	ہیں۔ اللہ حق و باطل کی ایسی ہی مثال
يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ	دیتا ہے دیکھو جھاگ تو ناچیز اور ناکارہ
كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ	ہو کر معدوم ہو جاتی ہے اور جو چیز

Marfat.com

الاَمْثَالَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لوگوں کے لئے نفع بخش اور کارآمد

۔ ۔ ۔ ۔ ۱۳/۱۷ ہے وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔

پانی سونا چاندی اور دوسری دھاتیں چونکہ "نفع" ہیں اس لئے باقی رہتی ہیں اور اوپر آئی ہوئی جھاگ "غیر نافع" ہے اس لئے ختم ہوجاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جو بھی بحیثیت مجموعی "نافع" ہو اس کو پائداری حاصل ہوتی ہے اور جو "غیر نافع" ہو وہ آہستہ آہستہ ختم ہوجاتی ہے۔ نظریہ "بقار انفع" کا یہی مطلب ہے۔

عروج و بقار کا سنگ بنیاد اخلاق پر رکھا جاتا ہے

اس کے بعد قرآن حکیم نے خلق خدا کو نفع پہنچانے والی قوم کے چند اعمال گنا کر اس کی اخلاقی زندگی کی طرف رہنمائی کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عروج و بقار کا اصل سنگ بنیاد "اخلاق" ہے۔ کیونکہ زندگی کے تمام شعبوں میں اخلاق ہی کی شان ایسی ہے جس میں مالک تعالےٰ کی نیابت کا رنگ پایا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ ۔ اللہ والے اخلاق کو اپنے اخلاق بناؤ۔ (الحدیث)

ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ جو قوم اور جماعت اخلاقی زندگی میں نیابت کی شان پیدا کرے گی وہی زمین میں اللہ کی نیابت کی مستحق ہوگی اور حقیقی معنوں میں خلق خدا کے لئے وہی "نافع" ہوگی۔

چند اخلاقی اوصاف کی تفصیل

جن اخلاقی اوصاف کا تذکرہ قرآن حکیم کے مختلف مقامات

Marfat.com

پر ملتا ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

اطاعت حق۔ ضمیر کی آزادی، شجاعت و بہادری۔ سچائی۔ انصاف۔ رحم۔ رواداری۔ ایفائے عہد۔ امانت و دیانت۔ عفو و درگذر۔ دشمن سے اچھا برتاؤ۔ مساوات۔ ایثار و قربانی۔ توکل و اعتماد۔ اطمینان و خودداری۔ شیریں کلامی۔ میانہ روی۔ عزم و استقلال۔ امید پیش بینی۔ احتساب نفس۔ ذمہ داری کا احساس۔ ہر کام میں ایمان داری۔ حیا و شرافت۔ عفت و پاکدامنی، محبت و مروت۔ صبر و ثبات۔ اخلاص و بے نفسی۔ نیکی سے الفت اور برائیوں سے نفرت۔ بے غرضی کے ساتھ دوسروں کی خدمت کا جذبہ وغیرہ۔

فلسفۂ تاریخ و اجتماعیات کے دو مشہور استاد کی رائیں

عروج و بقار کے سلسلہ میں فلسفۂ تاریخ اور اجتماعیات کے دو مشہور استاد کی رائیں یہ ہیں۔ علامہ ابن خلدون کہتے ہیں۔

"قوموں کی ترقی نہ مادی طاقت کی فراوانی سے ہوتی ہے اور نہ صرف عقل و دماغ کی ترقی سے بلکہ اس کے لئے قومی عصبیت اور اخلاق کی ضرورت ہے۔

وہ اخلاق جن سے قوموں میں زندگی پیدا ہوتی اور عزت و سلطنت ملتی ہے یہ ہیں عمدہ اور اچھی عادتیں۔ مظلوم و بے کس کے باتوں کی برداشت۔ مکروہات و مصائب پر صبر۔ محنت و مشقت اور جد و جہد سے جی نہ چرانا۔ حق بات کو بغیر کسی رعونت کے سننا اور اس کی پیروی کرنا۔ عہد اور وعدوں کو پورا کرنا۔ ضعیف الحال لوگوں کے ساتھ انصاف اور شفقت سے پیش آنا اور بذل و سخاوت سے کام لینا۔ مسکینوں سے

Marfat.com

تواضع کے ساتھ ملنا۔ داد خواہوں کی فریاد سننا۔ عزت کی حفاظت کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دینا۔ لوگوں سے کرم و عفو کے ساتھ پیش آنا۔ مہمانوں کی میزبانی کرنا۔ مکر و دغا اور نقض عہد سے پرہیز کرنا وغیرہ"[1] ڈاکٹر لیبان کہتے ہیں۔

"ہر قوم میں انقلابات و تغیرات صرف اخلاق کے ذریعہ ہوتے ہیں اور وہی ان کے مستقبل کا سنگ بنیاد رکھتے ہیں .... قومی زندگی کی بنیاد صرف اخلاق کے ستونوں پر قائم ہے عقل و دماغ کا حصہ ان میں بہت کم ہے ....

جب کسی قوم کا شیرازۂ اخلاق درہم برہم ہو جاتا ہے تو وہ مر جاتی ہے اور اخلاقی اوصاف میں اسی قدر تنزل ہوتا ہے جس قدر قوم عقل و دماغ میں ترقی کرتی ہے ....

جماعتِ انسانی کا نظام۔ مذہب کی بنیاد۔ سلطنتوں کا معیار صرف اخلاق کی سطح پر قائم ہے عقل کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے ......

تمام قومیں صرف اخلاق ہی کے ذریعہ حس و حرکت کرتی ہیں اور صرف غور و فکر سے دنیا کا کام نہیں چلتا ہے ....

عقلی انقلابات میں ذہانت دوسرے درجہ کا انقلاب ہے اصلی سنگ بنیاد صرف اخلاق ہے لیکن وہ کارخانوں اور کتابوں کے اوراق میں نہیں ملتا ہے بلکہ اس کی تحصیل کے لئے دفتر کے دفتر الٹنے پڑتے ہیں اور مختلف

---

[1] مقدمہ ابن خلدون حصہ اول و دوم۔

قوموں سے واقفیت حاصل کرنی ہوتی ہے . . . . . .

دو قوموں کی مثالیں

پھر ڈاکٹر موصوف نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں مختلف قوموں کی مثال پیش کی ہے مثلاً

رومن قوم اپنے تنزل و انحطاط کے زمانہ میں عقلی حیثیت سے اپنے آبا و اجداد کی بہ نسبت زیادہ طاقتور تھی تاہم چونکہ اپنی آبائی وراثت اقدام۔ عزم۔ شجاعت۔ جانبازی غرض ان تمام اخلاق کو جن کے ذریعہ ان کے آبا و اجداد نے ترقی کی وہ کھو چکی تھی اس لئے بالآخر تنزل کے غار میں گر پڑی۔

ہندوستان کے تیس کروڑ باشندوں کو ساٹھ ہزار انگریزوں نے محض اخلاق کی استواری کی بنا پر اپنا غلام بنا لیا حالانکہ عقلی حیثیت سے ہندوستان میں بہت سے لوگ ہیں جو انگریزوں کے دوش بدوش کھڑے ہو سکتے ہیں بلکہ بعض کو فلسفیانہ مباحث میں ان پر ترجیح دی جا سکتی ہے[1]

قرآنی اخلاق کی بنیاد عالمگیر افادیت اور عمومی رحمت پر ہے

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ قرآن حکیم جس قسم کا اخلاق قوم میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور جس پر قومی ترقی کی بنیاد رکھتا ہے اس کی حیثیت اس اخلاق جیسی نہیں ہے جو قومی ترقی و سربلندی کے لئے قومی پیمانہ پر اپنایا جاتا ہے کہ اس کا اثر صرف اس قوم کے دائرہ تک محدود رہتا ہے اور دوسری قوموں کے لئے وحشت و بربریت کا مظاہرہ بدستور جاری رہتا ہے۔

---

[1] انقلاب الامم ص ۹ و ۵۳ و ۵۴ و ۸۳۔

Marfat.com

بلکہ یہ اخلاق عالمگیر افادیت اور عمومی رحمت پر مبنی ہونے کے ساتھ اس نظریہ کے ماتحت ہوتا ہے کہ

اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ عِیَالُ اللّٰہِ (الحدیث) تمام مخلوق اللہ کی عیال ہیں۔

اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ اِخْوَۃٌ (الحدیث) تمام لوگ بھائی بھائی ہیں۔

یہ روحانی تقاضہ کے طور پر اپنایا جاتا ہے اور نیابت الٰہی کی شان پیدا کرتا ہے اور وہ قومی عصبیت و منافرت کے پیمانہ پر قبول کیا جاتا ہے۔

اِس کی بنیاد خدا پرستی و روحانی پاکیزگی پر ہوتی ہے اور اُس کی قوم پرستی و وطن پرستی پر رکھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے ہر اجتماعی مسئلہ کی بنیاد محبت و مروت۔ بھلائی و ہمدردی۔ احسان و سلوک غرض ان "جواہر" پر رکھی ہے جن سے انسانیت نشو و نما پاکر بالیدگی حاصل کرتی ہے بخلاف جدید دنیا کی "اجتماعیات" کے کہ اس کے ہر گوشہ اور ہر سوشہ میں عصبیت و منافرت کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔

زوال کی بنیاد بداخلاقی پر رکھی جاتی ہے

جس طرح عروج کی بنیاد اخلاق پر رکھی جاتی ہے اسی طرح زوال کی بنیاد بداخلاقی پر ہوتی ہے کیونکہ جو خرابی اس راہ سے آتی ہے اس کی براہ راست زد انسان کی اصل ساخت پر پڑتی ہے اور اس کے پورے نظام کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کے "جواہر" ختم ہو کر "جراثیم" نمودار ہو جاتے ہیں اور وہ زندہ رہنے کی صلاحیت فنا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں جہاں کہیں بھی قوموں کی ہلاکت و بربادی کا ذکر آیا ہے اس کا سبب بدعملی و بداخلاقی کو قرار دیا گیا ہے۔

چند آیتیں یہ ہیں۔

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ — ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انھیں ہلاک کیا۔ ۸/۵۴

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ — اللہ نے اُن کے گناہوں پر انھیں پکڑ لیا۔ ۸/۵۲

اس آیت میں قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۔ ۱۷/۱۶ — اور جب ہمیں کسی بستی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو اس بستی کے خوشحال لوگوں کو حکم (تکوینی) دیتے ہیں پس وہ نافرمانی میں سرگرم ہو جاتے ہیں جس کی بنا پر عذاب کی بات ان پر ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم (پاداش عمل میں) انھیں برباد و ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

درج ذیل آیت میں ہر ایک کا مقام اعمال کے لحاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ۔ ۶/۱۳۲ — ہر ایک کے اس کے اعمال کے مطابق درجے ہیں اور تمھارا پروردگار ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

قوموں کی تاریخ سے اس کا ثبوت

مذکورہ حقیقت کا ثبوت قوموں کی تاریخ سے اس طرح ملتا ہے کہ بالعموم اقتدار و سلطنت سے دست بردار ہونے والی قوم فوجی تفوق اور مادی وسائل میں بڑھی ہوئی ہوتی ہے لیکن تمدنی

Marfat.com

عیش وعشرت اور بے آہنگ عقل وہوس کی نمائش اخلاقی جواہر فنا کر کے اس کا حوصلہ پست کر دیتی ہے اور مقابل کی قوم مادّی وسائل کے اعتبار سے پست ہوتی ہے اس کے باوجود اخلاقی اقدار کی تخم ریزی کی وجہ سے فوجی اسپرٹ و دیگر لوازمِ حیات اس میں موجود ہوتے ہیں چنانچہ عزم وہمت کے ساتھ نیا حوصلہ لے کر وہ میدان میں آتی ہے اور مقابل قوم کو شکست دے کر خود قابض بن جاتی ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ یہاں بحث عروج وزوال کے "اصلی سنگ بنیاد" سے ہے اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ علوم و فنون کی ترقی اور مادّی وسائل قومی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہیں۔

صورت یہ ہے کہ اخلاقی طاقت مادّی وسائل کی کمی کی تلافی کر دیتی ہے لیکن مادّی وسائل کی فراوانی اخلاقی فقدان کی تلافی نہیں کر سکتی ہے۔ بلکہ ایسی حالت میں تمدّن خود تمدّن کا دشمن بنکر ہلاکت وبربادی کا موجب ہوتا ہے۔

Marfat.com

انتخابِ فطری اور بقائے اصلح

جدید دنیا کے فلسفیوں نے عروج و بقاء کے لئے "بقائے اصلح" کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس کا ثبوت بعض قدیم مذاہب اور نظریات میں بھی ملتا ہے لیکن "ڈارون" نے نہایت واضح دلائل پیش کر کے اس کو تمام عملی شعبوں پر حاوی بنا دیا ہے اس لئے اس زمانہ میں انھیں کے نام کے ساتھ اس کی شہرت ہو گئی ہے۔

یہ نظریہ ایک حد تک اب فرسودہ ہو چکا ہے لیکن ابھی خلاف نظریات کو نہ تو عمومی حیثیت حاصل ہوئی ہے اور نہ ہی علوم و فنون کا کوئی شعبہ اس کی زد سے محفوظ ہو سکا ہے اس لئے قومی و جماعتی زندگی کی حد تک اس کی تشریح کر دینی ضروری ہے۔

نظریہ بقاء اصلح کی اجمالی تشریح

موقع کی مناسبت سے اس سلسلہ کی تین اصطلاحیں قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) **تنازع للبقاء:۔** زندہ اور باقی رہنے کے لئے باہمی کشمکش۔

(۲) **انتخاب طبعی:۔** جو چیزیں باقی رہنے کے لائق ہیں طبعی طور پر قیام و بقار کے لئے انھیں کا انتخاب۔

(۳) **بقاء اصلح:۔** وہی چیزیں باقی رہتی ہیں جن میں باقی رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

ڈارون نے "بقائے اصلح" کی تدبیر کو ہر شئے کی ارتقار کا ذریعہ قرار دیا ہے اس طرح

کہ نباتات حیوانات اور انسان سب کے سب زندگی کی کم ترقی یافتہ شکلوں سے عالم وجود میں آتے ہیں اور انواع میں باہمی امتیاز ان کی بقار سے ہوتا ہے اور بقار ان انواع کو حاصل ہوتا ہے جن کے اعضار و قویٰ اس ماحول کے مناسب ہوتے ہیں جن میں یہ واقع ہو گئے ہیں۔

اس لحاظ سے ہر ایک کشمکش حیات میں مصروف ہے اس کشمکش میں جنھیں بقا کے مناسب آلات میسر آتے ہیں وہ باقی رہتے ہیں اور جو غیر موزوں و ناقابل ہوتے ہیں وہ محو ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ نظریہ کی بنا پر نہ صرف یہ کہ انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل قرار پاتا ہے بلکہ انسان ہر حیثیت سے اپنی بقار کے لئے ماحول کے مناسب بننے پر ہی مجبور ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے عروج و بقاء کے لئے "صلح" ہی کا نظریہ پیش کیا ہے لیکن اس کو جانچنے کے لئے "نفع" کا معیار مقرر ہے، اس طرح کہ صلاحیت "افادیت" کے پیمانہ سے ناپی جاتی ہے خلق خدا کے لئے جو قوم اپنی صلاحیت و کردار کی بنا پر زیادہ نفع مند ثابت ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے اور جو صلاحیت یا کردار کے نہ پائے جانے کی وجہ سے غیر نافع بن جاتی ہے وہ چھانٹ دی جاتی ہے۔

"ارتقار" کا تصور یہاں بھی ہے اور وہاں بھی ہے لیکن وہ "ارتقار" جسم انسانی تک محدود ہے اور اس ارتقار کی ابتدا جسم انسانی سے ہوتی ہے پھر روحانی ارتقار کا لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس میں انسان خدائی اخلاق اپنے اندر پیدا کرتا ہے خدائی صفات کا مظہر بنتا ہے اور پھر خدا سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ارتقار کی غیر محدود شاہراہ اور بلندی کا انتہائی مقام ہے۔

Marfat.com

بین الاقوامی میدان میں "اصلح قوم" کے قیام و بقاء کی کیا صورت ہوتی ہے؟ قرآن حکیم کی روشنی میں اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

قوموں کی باہمی مزاحمت و مدافعت ہی کی بدولت نشوونما ارتقاء کا کام جاری ہے

فطرت کے تقاضہ کے مطابق مادی و معنوی ہر گوشہ میں بناؤ و سنوار اور اصلاح و تربیت کا کام جاری رہنا ضروری ہے اس کے بغیر نہ نشوونما ارتقاء کا سلسلہ قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی دنیا کا نظام چل سکتا ہے۔

یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ غیر صالح (تخریبی) سرگرمیوں میں مصروف قوم کو ہٹا کر صالح (بناؤ سنوار کرنے والی قوم) کو آگے بڑھایا جائے۔

اس مفہوم کو ثابت کرنے والی چند آیتیں یہ ہیں۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ ۲/۲۵۱

اگر اللہ ایک گروہ کے ذریعہ دوسرے گروہ کو نہ ہٹاتا رہتا تو زمین (دنیا) خراب ہو جاتی لیکن اللہ سب عالموں کے لئے فضل و رحمت رکھنے والا ہے۔

دوسری آیت یہ ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۲۲/۴۰

اگر اللہ بعض کے ہاتھوں بعض کی مدافعت نہ کراتا رہتا تو کسی قوم کی عبادت گاہیں محفوظ نہ رہتیں۔ خانقاہیں گرجے۔ دوسری قسم کی عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	کا ذکر کیا جاتا ہے وہ سب گرادی
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	جائیں اور بالآخر امن وامان سب
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	خاک میں مل جاتا)

تیسری آیت یہ ہے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۔ ۲۳/۱۷	اگر حق لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرتا تو زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے یک قلم درہم برہم ہو جاتا ۔

ان آیتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قوموں کی باہمی کشمکش اور پھر ایک کے ذریعہ دوسرے کی مدافعت ہی کی بدولت موجودہ نظام قائم ہے اور نشو و ارتقاء کا سلسلہ جاری ہے ۔ اب سوال یہ ہے کہ آنے والی قوم کس قسم کی ہوتی ہے؟ درج ذیل آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آنے والی قوم خلق خدا کو نفع رسانی میں جانے والی قوم سے بہتر ہوتی ہے ۔

وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۸/۴۷	اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمھاری جگہ دوسری قوم کو بدل کرلے آئے گا پھر وہ تم جیسی نہ ہوگی ۔

غیر صالح کے مقابلہ میں صالح قوم آئے گی اور وہ حق وعدالت اور تعمیری نشو وارتقاء کا کام جاری رکھے گی ۔

Marfat.com

قیام وبقا کے لئے اخلاقیت کی اعلیٰ پیمانہ پر تنظیم اور مادیت کی ترقی کا سلسلہ جاری رہنا ضروری ہے۔

قرآن حکیم نے قیام وبقاء کے لئے بنیادی حیثیت سے دو چیزیں ضروری قرار دی ہیں اور یہ دونوں انسانی فطرت ومقام کے مطابق ہیں (۱) اخلاقیت کی اعلیٰ پیمانہ پر تنظیم اور (۲) مادیت کے ارتقاء کا سلسلہ۔

ان دونوں میں کسی ایک سے بھی غفلت برتی گئی تو بین الاقوامی میدان میں نہ وہ "اصلح" قوم کہلانے کی مستحق ہوگی اور نہ ہی اس کے قیام وبقاء کی کوئی ضمانت ہوگی۔

یعنی اگر صرف مادیت کی طرف توجہ کی گئی اور اس کے ساتھ بلند تصورات واخلاقی اقدار کی تنظیم نہ ہوئی تو آگے چل کر یہی مادیت غیر مفید بلکہ تباہ کن بن جائیگی۔ قوموں کی تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جنھوں نے ابتدا میں چند اخلاقی تبدیلیاں کرکے اقتدار حاصل کر لیا لیکن بعد میں مادیت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوکر تباہ وبرباد ہوئیں۔

اسی طرح اگر بلند تصورات واخلاقی اقدار کے ساتھ مادیت کا ارتقاء نہ جاری رہا تو اس سے نہ کوئی مضبوط وپائدار کلچر پیدا ہوگا اور نہ ہی اس کے بقاء کی کوئی ضمانت حاصل ہوگی۔ تاریخ میں ایسی قوموں کی مثالیں بھی موجود ہیں کہ قوت وسلطنت چھن جانے کے بعد جب مادّی ارتقاء کا سلسلہ ختم ہوگیا تو ان کا علم اور تہذیب وتمدّن وغیرہ سب رخصت ہوگئے اور بالآخر رفتہ رفتہ وہ قومیں بھی ختم ہوگئیں۔

چند آیات قرآنی سے اس کا ثبوت

ذیل میں چند آیتیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے قیام وبقاء کے لئے اخلاقیات کی اعلیٰ پیمانہ پر تنظیم اور مادّیات کے

Marfat.com

ارتقار ہوتے رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ

جہاں تک ہو سکے قوت و طاقت کے سامان پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لئے تیار رہو اس تیاری سے تم اپنے اور اللہ کے دشمنوں پر دھاک بٹھائے رکھو گے اور ان لوگوں پر بھی جن کی تمھیں خبر نہیں لیکن اللہ انھیں جانتا ہے۔

۶۰

آیت میں قوت و طاقت کے سامان سے ہر وقت لیس رہنے کا حکم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا کوئی دور ایسا نہیں ہے جس میں مادیت کے بغیر کام چل سکے۔

لفظ "من قوۃ" کی عمومیت سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں مادّی ارتقار ہوتا رہنا ضروری ہے اور اس ارتقار کا ساتھ دیئے بغیر کوئی قوم اپنے کو باقی نہیں رکھ سکتی ہے۔

بعد کی آیتوں میں چند اخلاقی اوصاف گنائے گئے ہیں جو زندگی کو منظم کرنے والے اور مادّی ترقی کو انسانیت کے لئے مفید بنانے والے ہیں مثلاً (۱) ایمان و یقین (۲) ایثار و قربانی (۳) اعتماد و توکل (۴) تائید غیبی کی امید (۵) محبت و رحمت وغیرہ۔

Marfat.com

تنظیم اخلاق سے متعلق دو آیتیں یہ ہیں ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا	اے ایمان والو اللہ کے لئے مضبوطی
قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ	سے قائم رہنے والے اور انصاف
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ	سے گواہی دینے والے ہو جاؤ کسی
عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا	گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات کے لئے
هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى	نہ آمادہ کرے کہ اس کے ساتھ بے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ	انصافی کرو ہر حال میں انصاف کرو۔
	یہی تقویٰ سے لگتی بات ہے ۔

۸/۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا	اے ایمان والو مضبوطی کے ساتھ
قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ	انصاف پر قائم رہنے والے اور
لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ	خدا لگتی گواہی دینے والے ہو جاؤ
أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ	اگرچہ یہ گواہی اپنے نفس یا ماں باپ
إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللّٰهُ	اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں
أَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى	نہ ہو اگر ان میں کوئی مال دار یا
أَنْ تَعْدِلُوا ۔	محتاج ہے (تو تمہیں اس کی رعایت
	کرنے کی ضرورت نہیں ہے) بلکہ اللہ
۱۳۴/۴	سب سے بڑھ کر ان کی برداخت کرنے
	والا ہے (دیکھیں) ان کی خاطر تم
	اپنی خواہش کی اتباع کرکے حق وصد

ق دو انصاف نہ کرو اور اگر زبان [illegible]

Marfat.com

حاصل یہ کہ اخلاق کی ایسے اعلیٰ پیمانہ پر تنظیم ہونی چاہیئے کہ اس کے نفاذ میں کسی گروہ کی دشمنی یا کسی عزیز سے عزیز ترین کی جانبداری حتیٰ کہ اپنی ذات کی رعایت کو بھی دخل نہ ہو۔

قرآن حکیم کی نظر میں "اصلح" بننے کے لئے صفت عدالت اصل معیار ہے

قرآن حکیم نے قومی و جماعتی زندگی میں "عدل اور عدالت" پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو تمام محاسن اعمال کی بنیاد اور قومی اخلاق کا خلاصہ یہی خصلت ہے۔

ذیل میں اس کی تشریح کی جاتی ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ قومی زندگی میں اس کا کیا مقام ہے اور قوم کو "اصلح" بنانے میں اسے کس قدر دخل ہے؟

امام غزالیؒ نے "عدل" کو مجموعۂ فضائل قرار دیتے ہوئے یہ تعریف کی ہے

"قوت عقلی اور قوت شہوانی کی ضروری ترتیب اور پھر اس کے مطابق ان قوتوں کے وجود پذیر ہونے کا نام "عدل" ہے"۔

پھر کہتے ہیں۔

"عدل" مجموعہ فضائل کا نام ہے فضائل کے تینوں اصول (عفت۔ حکمت شجاعت) کے فروع خود عدل کے فروع ہیں"۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے عدالت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے

ھی ملکۃ فی النفس تصدر عنھا الافعال التی یقام	"عدالت" ایک ملکہ کا نام ہے جس سے ایسے اعمال و افعال صادر ہوتے

[1] احیاء العلوم جلد ۳ ص ۴۸۔

Marfat.com

بھا نظام المدینۃ والحی   ہیں کہ ان کے ذریعہ ملکی و قومی انتظام

بسھولۃ[۵]   بآسانی قیام پذیر ہوتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے نزدیک عدالت ایک ملکہ ہے کہ جس کے حاصل ہونے کے بعد فکری و عملی دونوں قوتیں ٹھیک ٹھیک استعمال ہونے لگتی ہیں اور حقوق و فرائض کی ادائیگی میں سہولت ہوتی ہے۔

قومی اور جماعتی عدل میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ہر فرد عدل کے قائم کرنے میں اپنی ڈیوٹی پوری کرے اور عدل کو بروئے کار لانے کے لئے جن جن اعمال و افعال کی ضرورت ہے ہر فرد اپنی طاقت بھر انھیں انجام دے۔

عدل کے بروئے کار آنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شئے اپنے محل اور اپنی حدود کے اندر رہو۔ ہر شخص اپنا حق پائے اور بغیر کسی کمی کے دوسرے کا حق ادا کرے۔

افلاطونؔ کے نزدیک عدالت کا اصلی جوہر روحانی و داخلی ہے یعنی انسان کی اندرونی و روحانی زندگی اتنی منظم ہو کہ ہر شخص اپنا کام کرے اور دوسرے کے کام میں دخل نہ دے[۲]۔

"ورآر۔ اے۔ پی روجرس" کہتے ہیں

"چار فضائل اصلیہ حکمت۔ شجاعت۔ اعتدال اور عدالت میں عدالت سب سے بلند پایہ ہے یہ تمام فضائل کا اتمام اور سرتاج ہے اگر یہ نہ ہو تو باقی اپنی غایت کو کھو بیٹھیں"[۳]

"پروفیسر جان ڈیوی" اور "پروفیسر جیمس ایچ ٹفٹس" نے عدالت کے یہ معنی

---

[۵] حجۃ اللہ البالغہ جلد ا ص ۹۸ [۲] تاریخ اخلاق ص۳۳ [۳] ایضاً

Marfat.com

بیان کئے ہیں۔

"عدالت" کا لفظ جب بہت ہی وسیع معنی میں مستعمل ہوتا ہے تو اس سے صداقت شعاری، درست کرداری اور راست بازی مراد ہوتی ہے اس مفہوم کے لحاظ سے عدالت اخلاق کا ماحصل ہے یہ نیکی کی ایک قسم نہیں ہے بلکہ عین نیکی ہے اور عادلانہ فعل ہی واجب العمل فعل ہے۔ یہی شئے انصاف پسندی۔ دادگری۔ ناطرفداری اور دیانتداری کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور عدالت کے سب سے محدود معنی وہ ہیں جن کی رو سے عدالت اور قانون کے ذریعہ حقوق کی حمایت ہوتی ہے[1]"

مذکورہ تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدل و عدالت کے مفہوم کی وسعت و گہرائی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اور زندگی کی روحِ رواں یہی خصلت ہے۔ دنیا کی جو قوم جس حد تک اس خصلت کو اپنائے گی اسی لحاظ سے وہ دوسروں کے مقابلہ میں "اصلح" قرار دی جائے گی اور قیام و بقار کی مستحق ہوگی۔

ذیل میں ہم تنظیم و تربیت کے وہ بنیادی اصول بیان کرتے ہیں جن سے قومی و جماعتی زندگی میں عدل و عدالت کی صفت نمودار ہوتی ہے۔

---

[1] اخلاقیات حصہ دوم ص ۴۳۲۔

Marfat.com

اصلاحِ قوم کی تنظیم و تربیت کے

بُنیادی اُصُول

تنظیم و تربیت کی دو شکلیں ہیں (۱) پہلی یہ کہ چند اجتماعی کمزوریاں دور کر کے کسی انقلاب کو خوش آمدید کہنے کے لئے قوم کو تیار کر لیا جائے اور (۲) دوسری یہ کہ ہر ہر فرد کی زندگی میں ایک گہری تبدیلی پیدا کی جائے ان کا زاویۂ نگاہ بدلا جائے اور زندگی کے ہر موڑ و ہر موقف پر ان کی تربیت کی جاتی رہے۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں تنظیموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے پہلی صورت میں خرابیاں اور دشمن تمدن "جراثیم" جلد غلبہ پا جائیں گے جس کی بنا پر جلد ہی وہ قوم ترقی سے تنزل کی طرف آ جائے گی اور دوسری صورت میں اگر ٹھیک عمل درآمد ہوتا رہا تو خرابیوں کے غلبہ پانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے اور اگر قومی زندگی کو سستی و کاہلی اور عیش پرستی نے گھیر لیا ہے تو چونکہ اٹھان اس کی مضبوط تھی اس لئے گرنے کے لئے بھی ایک مدت درکار ہوگی۔

قرآن حکیم نے دوسری قسم کی تنظیم کا حکم دیا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے "امر بالمعروف" و "نہی عن المنکر" کو قومی زندگی کا نصب العین ٹھہرایا ہے جس سے ایک طرف تو "معروف" کی پرورش اور نشو و نما ہو کر اس کا غلبہ ہوتا رہتا ہے اور دوسری طرف "منکر" پر قابو پانے کی جد و جہد برابر جاری

Marfat.com

رہتی ہے اس طرح وہ چیزیں اکٹھا ہوتی رہتی ہیں جو تمدن کو پروان چڑھاتی ہیں اور وہ باتیں کم ہوتی رہتی ہیں جن سے تمدن کو نقصان پہنچتا ہے۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ قرآن حکیم نے "اصلح" "قوم" کی تنظیم و تربیت کے لئے جو حدود و نقوش متعین کئے ہیں وہ اونچے سے اونچے معیار کے حامل ہیں اور حقیقی و دائمی قیام و بقا کے ضامن ہیں دنیا کی جو قوم ٹھیک ٹھیک اپنے آپ کو اس معیار کے مطابق بنائے رہے گی اُسے کبھی زوال نہ ہوگا اور جو جسقدر اس سے دور ہوتی جائے گی اسی مناسبت سے اس کا زوال ہوتا جائے گا۔ اس بارے میں درج ذیل سورت خاص اہمیت رکھتی ہے۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ
خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا
بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ
۱۰۳/۲۰۱

زمانہ (تاریخ انسانی) اس بات پر شاہد ہے کہ انسان ہمیشہ خسارہ اور گھاٹے میں رہے سوائے ان کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے اور ایک دوسرے کو حق بات کی اور مشکلات میں ثابت قدم رہنے کی صلاح دیتے رہے۔

تنظیم و تربیت کے بنیادی اصول چار ہیں

یہ چار اصول ہیں (۱) ایمان (۲) عمل صالح (۳) تواصی بالحق اور (۴) تواصی بالصبر۔ ان کی صداقت کے لئے قرآن حکیم نے زمانہ کی پوری تاریخ شہادت میں پیش کی ہے۔ عمومیت پیدا کرنے کے لئے ان کی تعبیر ہم اس طرح کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

(۱) جن نظریات پر کسی تحریک کی بنیاد رکھی گئی ہو یا کسی قوم کی تنظیم ہوئی ہو وہ افراد جماعت کی رگ رگ میں سمائے ہوئے اور ان کی پوری زندگی پر چھائے ہوئے ہوں۔

(۲) ان نظریات کو بروئے کار لانے کے لئے جن جن تدبیروں اور صلاحیتوں کی ضرورت پڑے اور جس جس قسم کی اطاعت و فرمانبرداری کا مطالبہ کیا جائے اس کے لئے قوم کے افراد ذاتی مفاد کو نظر انداز کر کے ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار رہیں۔

(۳) قوم کا ہر ہر فرد قولی اور عملی طور پر ان نظریات کا مبلغ ہو اور ایک دوسرے کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہو۔

(۴) قوم کے افراد عزم و استقلال کے ساتھ مصائب و مشکلات میں ثابت قدم رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو اس کی تلقین کرتے رہیں۔

قرآن حکیم کی روشنی میں ہر ایک کی تفصیل یہ ہے

ایمان

ایمان قلب و ذہن کی خاص کیفیت کا نام ہے

ایمان بے جان تصدیق اور جامد عقیدہ کا نام نہیں ہے بلکہ علم و عقیدہ اور معرفت و محبت کے حسین امتزاج سے قلب و ذہن کی ایک خاص کیفیت کا نام ہے۔

یہ خاص کیفیت قلب و ذہن میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان اپنی خواہش، اپنی مرضی حتّٰی کہ اپنی ذات کو اس کی مرضی اور ارادہ پر چھوڑ دیتا

Marfat.com

ہے جس پر وہ "ایمان" لایا ہے"۔ اس درجہ پر پہنچنے کے بعد انسان کا شیشۂ دل دوسرے تمام خیالات کے گرد و غبار سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور تمام اعمال و افعال کا محور اور مرجع وہی ذات بن جاتی ہے جس کی رضا جوئی پر اپنی شخصیت اور مرضی فنا کی ہے۔ قرآن حکیم سے اسی ایمان کا ثبوت ملتا ہے۔

ایمان قوت و طاقت کا سرچشمہ ہے

نیز قوت و طاقت کا سرچشمہ اور انقلاب و تحریک کی کامیابی کی جان یہی ایمان قرار دیا جاتا ہے۔ اسی کے ذریعہ قومی زندگی کی تشکیل ہوتی ہے۔ صلاحیتیں منظم ہوتی ہیں اور وہ "عناصر" زندگی میں ابھرتے ہیں جو ترقی کے لئے درکار ہیں۔

یہ اس لئے کہ ایمان کا براہ راست اپنے عالم (انفس) سے تعلق ہے جہاں سب سے پہلے انقلاب کی تخم ریزی ہوتی ہے اور جہاں افکار و احساسات اور تصورات کی تخلیق ہوتی ہے۔ یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ کسی انقلاب کے لئے جب "عالم انفس" کی فضا سازگار بن گئی تو "عالم آفاق" کے تمام مرحلہ نہایت آسانی سے طے ہوتے رہتے ہیں۔

برخلاف اس کے بے جان تصدیق اور جامد عقیدہ کو اندرونی تبدیلی سے کچھ زیادہ سروکار نہیں ہوتا ہے صرف جذبات کی تسکین کے لئے چند ظاہری قول و عمال کی نمائش ہو جاتی ہے اس بنا پر وہ جمود و تعطل کی زندگی کو فروغ دیتا ہے اور بسا اوقات قومی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ اجتماعیین نے جس ایمان کو قوت و طاقت کا سرچشمہ قرار دیا ہے وہ قرآنی ایمان ہے جیسا کہ درج ذیل اقتباس سے معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

"قوت ایمانی ایک ایسی قوت ہے کہ جس میں یہ پیدا ہو جاتی ہے اس کی قوت میں دس گنا اضافہ" ہو جاتا ہے۔

"انجیل میں بہت صحیح آیا ہے کہ قوت ایمانی پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا سکتی ہے۔"

جو لوگ تاریخی انقلاب کے باعث ہوئے وہ چند مسکین اور ایماندار لوگ تھے جن کی قوت ایمانی نہایت مضبوط اور مستحکم تھی۔[۴]

دوسری جگہ ہے۔

"جو شے کہ ایک سپاہ کو دوسری پر کامیاب رکھتی ہے وہ یہ خارجی مؤثرات نہیں ہیں (گو ایک حد تک یہی ہوتے ہیں) بلکہ ایک اندرونی قوت بھی صرف اعتقاد کی قوت تھی جس نے عرب بادیہ نشین کو کسریٰ وقیصر کی ٹڈی دل اور قواعد داں فوج پر غالب کر دیا۔[۵]

ذیل میں چند آیتیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے مذکورہ بالا بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

ایمان کا لازمی نتیجہ محبت اور محبوبیت ہے

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۔ ۲/۱۶۵ — جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کے دلوں میں سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہوتی ہے۔

یعنی تمام ماسوا کے "بت" دل سے نکل کر دل صرف اللہ کا جلوہ گاہ بنتا ہے اور اس سے محبت اور تعلق اس قسم کا ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں نہ عزیز سے عزیز

---

۴ روح الاجتماع ص ۱۷۷ ۵ فلسفۂ اجتماع ص ۲۰۲ ۔

Marfat.com

ترین تعلقات کی کوئی قیمت رہتی ہے اور نہ شان وشوکت والی طاقتوں کی کوئی حیثیت۔

انسان جب تعلق باللہ کے اس مرحلہ پر پہنچتا ہے تو اللہ کا تصور زندگی کے تمام گوشوں میں چھا جاتا ہے اور نیابتِ الٰہی کے خدوخال ابھر آتے ہیں جس کی بنا پر فکر ونظر میں وسعت۔ دل میں قوت جذب اور شعور میں بیداری پیدا ہوتی ہے نیز اخلاق وکردار صفات الٰہی کا مظہر بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے

لا یسعنی الا قلب مومن (الحدایث)

میری سمائی بجز قلب مومن کے اور کہیں نہیں ہوتی ہے۔

دوسری آیت۔

قُلْ اِنْ كَانَ آبَآءُكُمْ وَاَبْنَآءُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۔ ۹/۲۴

اے پیغمبر ایمان والوں سے یہ بات کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیویاں تمہاری برادری تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا ڈر رہے اور تمہارے رہنے کے پسندیدہ مکانات (یہ ساری چیزیں) تمھیں اللہ سے اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب رہیں تو اللہ کے حکم کا انتظار کرو (جو اس تن آسانی اور دُنیاطلبی پر آئیگا الآیۃ)

Marfat.com

یہ اللہ کا حکم قومی موت اور ذلت وخواری کی شکل میں ہوتا ہے اور محبت ومحبوبیت میں کمی بیشی کے لحاظ سے اس حکم کے درجہ مختلف ہوتے ہیں۔

تیسری آیت

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ

یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرتا ہوا پائیں اگرچہ وہ دشمن ان کے آباء و اجداد آل اولاد۔ بھائی بند۔ اور کنبہ قبیلہ ہی کے کیوں نہ ہوں دراصل (اسی درجہ کے ایمان رکھنے والے) وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان قائم ہو چکا ہے اور جن کی غیب کے فیض سے تائید ہوتی ہے۔

۵۹/۲۲

مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان اور اس کا لازمی نتیجہ محبت ومحبوبیت انسان کے ارادہ وتصرف قول وفعل دوستی ودشمنی وغیرہ سب پر چھایا ہوتا ہے اور یہی اس کی شناخت ہوتی ہے۔

ایمان جان اور مال کا سودا ہوتا ہے

ایمان کی حقیقت سمجھنے کے لئے درج ذیل آیت بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ
لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ
وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ
حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ
وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی
بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا
بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ
بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِیْمُ

۹/۱۱۱

بلا شبہ اللہ نے مومنوں سے اس قیمت پر ان کی جانیں بھی خرید لی ہیں اور ان کا مال بھی کہ ان کے لئے بہشت کی جاودانی زندگی ہے چنانچہ وہ کسی دنیوی مقصد میں نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اس جنگ میں وہ مرتے بھی ہیں اور مارتے بھی ہیں یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہو چکا ہے اور توراۃ۔ انجیل اور قرآن تینوں کتابوں میں یکساں طور پر اس کا اعلان ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے۔ پس مومنو تمھیں اس سودے پر خوشیاں منانا چاہئے۔ ع ۱

ع ۱ یہاں اس شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مال دیکھے بغیر کیسے سودا ہو گیا؟ اس لئے کہ نسل انسانی کے پدر بزرگوار حضرت آدم علیہ السلام کو ایک مدت تک جنت میں رکھا گیا تھا اور اسے اچھی طرح دکھا دیا گیا تھا نیز معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمپنی کے چیف ڈائرکٹر کی حیثیت سے جنت کو دکھایا گیا تھا نسل انسانی کے لئے یہ دونوں بزرگ شخصیتیں ایسی ہیں کہ ان کا دیکھنا گویا سب کا دیکھنا ہے جو تجارت کمپنی کی بنیاد پر ہوتی ہے اس میں تمام شرکاء کے لئے مال کا د باقی ص ۹۵ پر)

Marfat.com

ایمان جان و مال کا سودا ہوتا ہے نہ جان اپنی رہ جاتی ہے اور نہ مال اپنا رہتا ہے البتہ مومن کے ذمہ یہ کام باقی رہتا ہے کہ وہ اسباب (جان و مال) حوالہ کر کے اس کی قیمت وصول کر لے۔

آیت میں زندگی کا عجیب و غریب فلسفہ بیان ہوا ہے یہ طرز تعبیر ہی نفسیاتی لحاظ سے نہایت دور رس نتائج کا حامل ہے سوچنے کی بات یہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم یہ فلسفہ اپنانے کے باوجود بھی ذلیل و خوار اور ہلاک ہو سکتی ہے؟

ایمان کا مدار اور موقوف علیہ ہجرتؔ، جہادؔ اور نصرتؔ ہیں

اسی حقیقت کے پیش نظر قرآن حکیم میں ہجرتؔ، جہادؔ اور نصرتؔ کو ایمان کا مدار اور موقوف علیہ قرار دیا گیا ہے۔

اس سلسلہ کی آیتیں یہ ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ ۳	جو لوگ ایمان لائے۔ اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا۔ جہاد کیا۔ لوگوں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی حقیقت میں یہی سچے مومن ہیں۔

دوسری آیت

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	اے ایمان والے وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان

(بقیہ صفحہ ۹۴) دیکھنا ضروری نہیں قرار دیا جاتا بلکہ ڈائرکٹر اچیف ڈائرکٹر کا دیکھنا ہی کافی ہوتا ہے۔۱۲

Marfat.com

ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ ۴۹/۱۶

لائے پھر شک میں نہیں پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔

تیسری آیت۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔ ۹/۲۱

جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جان و مال سے جہاد کیا ان کے لئے اللہ کے نزدیک بڑا درجہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

تینوں آیتوں میں بالترتیب "هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا"۔ "هُمُ الصّٰدِقُوْنَ"۔ اور "هُمُ الْفَآئِزُوْنَ" سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہجرت۔ جہاد اور نصرت کے بغیر نہ تو قرآنی ایمان حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی قوم کامیاب ہوتی ہے۔

تینوں کی تعریف و تشریح

ذیل میں ہر ایک کی تعریف کی جاتی ہے جس سے قومی زندگی میں تینوں کا مقام اور کردار واضح ہو گا۔

ہجرت - ایمان کو بروئے کار لانے کی خاطر ترک و اختیار کی کسوٹی پر پورا اترنا حتیٰ کہ گھر بار چھوڑنے کی نوبت آجائے تو اس سے بھی دریغ نہ کرنا۔

Marfat.com

نصرت - آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور مشکلات و مصائب کے وقت انھیں سنبھالے رکھنا یعنی زندگی کی تشکیل باہمی تعاون و تشارک اور ایثار و قربانی کی بنیادوں پر ہونا۔

جہاد - ایمانیات کو بروے کار لانے کے لئے ہر قسم کی انتہائی جد و جہد کرنا۔ ہاتھ پاؤں سے اسی کے لئے دوڑ دھوپ کرنا۔ زبان و قلم سے اس کی تبلیغ کرنا عقل و دماغ سے اسی کے لئے تدبیریں سوچنا غرض تمام امکانی وسائل اس راہ میں صرف کرنا اور ہر مزاحمت کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرنا اور جب جان کی بازی لگانے کا وقت آجائے تو اس میں بھی کسی طرح کا دریغ نہ کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جاهدوا المشركين بانفسكم	مشرکین سے جہاد کرو جان و مال
واموالكم والسنتكم[1]	اور زبان کے ذریعہ۔

اور

جاهدوا اهواءكم	اپنی خواہشات کے خلاف جہاد
كما تجاهدون	کرو جیسا کہ دشمنوں کے خلاف
اعداءكم[2]۔	جہاد کرتے ہو۔

امام راغب اصفہانیؒ جہاد کی تعریف میں کہتے ہیں۔

استفراغ الوسع فی	دشمن کی مدافعت میں اپنی پوری

---

[1] نسائی و ابوداؤد [2] ایضاً۔

مدافعۃ العدو ظاھرا وباطنا۔[1] قوت و وسعت لگا دینا، دشمن ظاہری ہو یا باطنی (نفس و شیطان)

جہاد ایک فطری حقیقت ہے مدافعانہ اور جارحانہ پر تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے

مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کا مفہوم قتال سے بہت زیادہ وسیع اور عام ہے بعضوں نے قتال کا ہم معنی سمجھ کر مدافعانہ اور جارحانہ کی تقسیم کی ہے نیز مدافعانہ کی اجازت تسلیم کی ہے اور جارحانہ سے انکار کیا ہے حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو اس کی تقسیم کی ضرورت ہی نہیں پڑتی ہے یہ تو ایسی فطری حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر قوم بہمہ وجوہ اس کو اپناتی ہے اور اسی پر عمل کرکے وہ عروج و بقار کی منزلیں طے کرتی ہے۔

چنانچہ ابو بکر صدیقؓ نے خلافت کی سب سے پہلی تقریر میں فرمایا تھا۔
"اے لوگو غور سے سن لو۔ دنیا کی جو قوم جہاد ترک کردیتی ہے اللہ تعالےٰ اس کو ذلیل و خوار اور رسوا کردیتا ہے۔"
ذیل کی آیت سے بھی تائید ہوتی ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ	اے ایمان والو تمھیں کیا ہو گیا ہے
اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ	کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ
سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ	کی راہ میں قدم اٹھاؤ تو تمھارے
اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا	پاؤں بوجھل ہو کر زمین پکڑ لیتے
مِنَ الْاٰخِرَۃِ فَمَا	ہیں کیا تم آخرت کے مقابلہ میں

[1] مفردات امام راغب اصفہانی ؒ

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا — دنیوی زندگی پر ریجھ گئے ہو حالانکہ
فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ اِلَّا — دنیوی زندگی کی متاع تو اس کے مقابلے
تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا — میں بہت تھوڑی سی ہے اگر اس راہ
اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا — میں قدم نہ اٹھاؤ گے تو یاد رکھو
غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا — کہ اللہ تمہیں دردناک عذاب میں
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ — مبتلا کردے گا اور تمہاری جگہ کسی
- - - - - - گروہ (قوم) کو لا کھڑا کرے گا
- - - - - - اور پھر تم اس کا کچھ نہ کرسکو گے وہ
ہر شئی پر قادر ہے ۳۹/۹

جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت اور اس کا مقصد

یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ قرآن حکیم نے مطلق جہاد کا نہیں بلکہ "جہاد فی سبیل اللہ" کا حکم دیا ہے کہ مذکورہ ہم کی ساری جد و جہد فتنہ و فساد کے ختم کرنے اور رحمت الٰہی کو عام کرنے کے لئے جائے نہ کہ ذاتی و قومی اقتدار اور ملک گیری کے لئے جیسا کہ دنیا کی قوموں اور ستوں میں ہوتا ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ — جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ و فساد
فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۚ — نہ رہے اور اللہ کا راج قائم ہو جائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لتكون كلمة الله هي العليا — (جہاد کرو) تاکہ اللہ کی بات غالب ہو کر رہے۔
(الحدیث)

Marfat.com

صرف "اعلاء کلمۃ اللہ" مقصود ہو۔ نفسانی جذبات اور انتقامی جوش کا اس میں شائبہ بھی نہ پایا جائے۔

چنانچہ جہاد کے جو اصول و ضوابط مقرر ہیں اور دور اول کے مسلمانوں نے جس طرح انھیں عملی جامہ پہنایا ہے ان کے پیش نظر یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ فتنہ و فساد کے ختم کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ نیز اس کے بغیر نہ صالح تمدن پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی نشو و ارتقاء کی منزلیں طے ہو سکتی ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ اور چند شہادتیں

جن متعصب مؤرخوں نے جہاد کو وحشیت و بربریت کا مظاہرہ قرار دیا ہے وہ دراصل اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور بقول فرانسیسی مصنف "موسیو سیدیو" حق سے کان بند کر لیا ہے اور قلب کی بینائی سے محروم ہو گئے ہیں[1]۔ اس لئے ان کی طرف متوجہ ہونا نتیجہ کے لحاظ سے بے سود ہے۔ البتہ ذیل میں چند اقتباس دئے جاتے ہیں جن سے جہاد کی حقیقت اور اسلام کی عالمگیر افادیت و رحمت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

حضرت عمرؓ کے آخری یا حضرت عثمانؓ کے ابتدائی زمانہ میں ایک نسطوری پادری نے مجاہدین کے بارے میں جو تاثرات سپرد کاغذ کئے تھے یہ ہیں۔

"یہ طائی (عرب) جنھیں خدا نے آج کل حکومت عطا فرمائی ہے وہ ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے مطلق برسرپیکار نہیں ہیں بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں ہمارے پادریوں اور مقدس لوگوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں

---

[1] تاریخ عرب ص ۱۰۰۔

Marfat.com

اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں[۵۱]۔"

پروفیسر "واکر" قانون بین الممالک کی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

"متمدن اور مہذب سلطنتوں پر وحشیوں کا دھاوا بولنا اور غالب آکر سلطنت وحکومت کا مالک بن جانا تاریخ کا ایک عادتی واقعہ ہے لیکن جرمنوں، تاتاریوں وغیرہ وحشیوں کے برخلاف عجیب بات یہ ہے کہ عرب کے بدو جب اپنے صحرائی براعظم سے باہر کی دنیا میں امنڈنے لگے تو ان عربی فاتحین کو عام تصور کے وحشی فاتحین میں کسی طرح نہیں شامل کیا جا سکتا کیونکہ ان وحشی بدوؤں میں پہلے ہی دن سے ان کے مفتوحوں سے بھی بڑھ کر تہذیب اور اخلاق حسنہ نظر آتے ہیں[۵۲]۔"

کلیسائی تاریخ وجغرافیہ کے قاموس میں ایک رومن کیتھولک پادری نے لکھا ہے "مسلمان عربوں کو یعقوبی (جاکوبائٹ) عیسائیوں نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مسلمانوں کی سب سے اہم جدت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا یہ تھی کہ انھوں نے ہر مذہب کے پیروؤں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا اور اس مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیاوی اور عدالتی اقتدارات عطا کئے[۵۳]۔"

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ خود مختار وحدت کے تصور کو سب سے پہلے اس مذہب نے

---

[۵۱] عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص۱۴۵ بحوالہ پادری اسمعانی اور دخوبے کی کتاب [۵۲] ایضاً ص۱۵ بحوالہ ہسٹری آف دی لا آف نیشن [۵۳] ایضاً۔

Marfat.com

علی جامہ پہنایا جس کو کور باطن لوگ وحشت و بربریت کا مذہب کہتے ہیں آج کل کی مہذب دنیا اپنے تمام تر دعوؤں اور وعدوں کے باوجود غیر مذہب والوں کے ساتھ اس قسم کی وسعت اور فراخ حوصلگی کا تصور بھی نہیں کر سکی ہے چہ جائیکہ اس پر عمل کیا ہو۔

ایمان کے لئے مرکزیت اطاعت اور اتحاد تینوں ضروری ہیں

قرآنی ایمان کے لئے مرکزیت۔ اطاعت اور اتحاد تنظیم کے ان تینوں بنیادی عنصر کا پایا جانا لازمی ہے۔ تنظیم کی جان "وحدت فکر" ہے جب تک افراد کے خیالات وعقائد میں احساسات و فوائد میں عمومیت اور اتحاد نہ ہو اس وقت تک کوئی تنظیم صحیح معنوں میں نتیجہ خیز اور بار آور نہیں بن سکتی ہے۔ ایمان کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ افراد کی زندگی میں وحدت فکر پیدا کرتا ہے پھر اسی راستہ پر ساری منزلیں طے ہوتی ہیں۔

چند آیتیں یہ ہیں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۳/۱۰۳	اے مومنو سب مل جل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔
وَمَا كَانَ مُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۳۳/۳۶	جب کسی معاملہ میں اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دے تو پھر کسی مومن اور مومنہ کو ماننے اور نہ ماننے کا اختیار نہیں باقی رہتا ہے۔

Marfat.com

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

آپ کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک حقیقی مومن نہیں ہو سکتے ہیں جب تک اپنے تمام جھگڑوں اور قضیوں میں آپ کو حاکم نہ بنائیں حتیٰ کہ ان کے دل کی ایسی حالت ہو جائے کہ جو کچھ آپ فیصلہ کر دیں اس کے خلاف کسی طرح کی کھٹک نہ محسوس کریں اور جس طرح کسی بات کا ٹھیک تسلیم کر لینا ہوتا ہے اسی طرح تسلیم نہ کر لیں۔

۴/۶۵

ماہر نفسیات نے اعلیٰ قسم کی تنظیم کے لئے درج ذیل باتیں ضروری قرار دی ہیں

(۱) قوم کے افراد آپس میں اور اپنے قائد کے ساتھ دل و جان سے عاشق ہوں۔

(۲) اجتماعی مقصد کو اپنا عین مقصد سمجھتے ہوں۔

(۳) ایک دوسرے کی مراعات اور پاسداری کو فرض عین جانتے ہوں۔

جس تنظیم میں یہ تینوں باتیں پائی جائیں گی ان کے نزدیک وہ اخلاقی ماہیت کو ترقی دے اور غلبہ حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتی ہے[۱]۔ در اصل یہ اصول انھوں نے صحابہ کرامؓ کی زندگی میں قرآنی تنظیم سے اخذ کئے ہیں جس عمدگی اور خوبی کے ساتھ

---

[۱] معاشرتی نفسیات ص ۲۲۵۔

Marfat.com

ان کی زندگی میں یہ پائے جاتے ہیں۔ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔

ایمان کا تقاضا پیہم حرکت اور مسلسل سعی و عمل ہے

ایمان ہمیشہ عمل کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے یہ بات ناممکن سی ہے کہ کوئی قوم و جماعت کسی اصول و نظریہ پہ ایمان رکھتی ہو اور پھر وہ اس کو بروئے کار لانے کے لئے سرتاپا عمل نہ بن جائے اور اگر ایمان کے دعویٰ کے ساتھ عمل نہ پایا جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایمان پختہ نہیں ہے۔

قرآن حکیم میں بکثرت "اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" آیا ہے ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ذیل کی آیات میں مومنوں کے واسطے "اَعلون" بنکر رہنے ان کی مدد کرنے اور خلافت و نیابت کے حاصل ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے ان سے بھی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

(۱) وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۳/۱۳۹

تم ہمت نہ ہارو غمگین نہ ہو اگر (سچے) مومن ہوگے تو تم ہی غالب رہوگے۔

(۲) كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

ہمارے اوپر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔

(۳) آیۂ استخلاف میں تین باتوں کا وعدہ ہے۔

(ا) یہ کہ مومنوں کو غلبہ و اقتدار حاصل ہوگا "لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ"

(ب) یہ کہ انھیں اپنے نظریات و آئین حیات پر آزادی اور قوت کے ساتھ عمل کرنے کا موقع ملے گا "وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى"

Marfat.com

(ج) یہ کہ انھیں ہر طرف سے امن اور بے خوفی حاصل ہو گی "وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ صداقتیں اسی صورت میں پائی جا سکتی ہیں جب کہ ایمان کے ساتھ عمل ہو۔ جیسا کہ دورِ اوّل میں یہ سب اِسی صورت میں مسلمانوں کو حاصل ہو چکی ہیں۔

ایمانی اعمال کی اجمالی فہرست ذیل میں چند آیتوں کا مفہوم ذکر کیا جاتا ہے جن سے اعمال و اخلاق معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) معاملات صلح و صفائی کے ساتھ درست رکھنا (۲) زندگی کے ہر گوشہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں سرگرمی دکھانا (۳) زندگی کے نشیب و فراز میں اللہ کے علاوہ اور کسی سے نہ ڈرنا ۳/۱۷۵ (۴) نماز میں خشوع و خضوع قائم رکھنا (۵) نکمی باتوں اور لغو حرکتوں سے الگ رہنا (۶) زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم رہنا (۷) ستروں کی حفاظت کرنا (۸) امانتوں اور عہدوں کا پاس رکھنا ۲۳/۱۱ (۹) آخرت پر یقین رکھنا ۳۱/۴ (۱۰) ندامت اور عزم و استقلال کے ساتھ توبہ کرنا (۱۱) زندگی میں عابدانہ شان نمایاں ہونا۔ اللہ کی حمد کرنا (۱۲) علم اور حق کی معرفت اور جہاد کے لئے سیر و سیاحت کرنا (۱۳) نیکی کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا (۱۴) حقوق و فرائض کی نگہداشت کرنا ۹/۱۱۲ (۱۵) شدت و مصیبت کے وقت صبر و تحمل سے کام لینا (۱۶) قول و عمل میں سچا اور پکا ہونا (۱۶) رات کے آخری حصّہ میں اللہ کے حضور کھڑے ہونا اور مغفرت طلب کرنا ۳/۱۷ (۱۷) خوشحالی و تنگدستی ہر حال میں اللہ کے لئے خرچ کرنا (۱۸) غصّہ کی حالت میں بے قابو نہ ہونا

(۱۹) قصور معاف کر دینا ۳/۱۳۴ (۲۰) آپس میں نرم رہنا اور دشمنوں کے مقابلہ میں سخت رہنا (۲۱) اللہ کی راہ میں کسی ملامت کی پرواہ نہ کرنا اور جان تک لڑا دینا ۵/۵۵ (۲۲) برائی کا مقابلہ بھلائی سے کرنا ۱۳/۲۲ (۲۳) یا برابر سرابر بدلہ لینا حد سے آگے نہ بڑھنا ۲۵/۳۸ (۲۴) قول اور عمل سے جھوٹی شہادت نہ دینا ۲۶/۲۲ (۲۷) لغو اور بے کی باتوں سے شریفوں کی طرح گذر جانا ۳۶/۲۳ (۲۸) بدی کا ارتکاب کرنا ۲۶/۹۹ (۲۹) بے حیائی کی باتوں سے الگ رہنا ۲۵/۳۵ (۳۰) نیکی اور بھلائی کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ۲۳/۵۸ (۳۱) ناپ تول میں کمی نہ کرنا ۱۱/۵۴ (۳۲) معاملات باہمی مشورہ سے طے کرنا ۲۵/۳۶ (۳۳) تمام معاملات میں ایمان کی روح سرایت کی ہوئی ہونا وغیرہ ۲/۲۰۸ -

ایمانی زندگی میں قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کو اہمیت دینے کی وجہ

قرآن حکیم کے بیشتر مقامات میں قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کو ایمانی زندگی کا اہم جزء قرار دیا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ قیام صلوٰۃ انسانی کردار کو ایمانی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے مستقل تربیت گاہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

اس کے ذریعہ ذہنی تربیت ہوتی ہے روحانی زندگی کو قوت حاصل ہوتی ہے اور جماعتی نظم و نسق چلانے کے لئے خاص زاویۂ نگاہ سامنے آتا ہے۔ گویا تشکیل جماعت اور تشکیل حکومت کا پورا نقشہ اس میں موجود ہے۔

"ادائے زکوٰۃ" کی تاکید اس لئے ہے کہ معاشرتی زندگی میں ایمانی رنگ

Marfat.com

بھرنے کے لئے معاشی توازن برقرار رکھنا نہایت ضروری ہے جس طرح مذہب و اخلاق سے بے راہ روی انسان کو معاشی حیوان بنا ڈالتی ہے اسی طرح معاشی عدم توازن کی ذہنیت مذہب و اخلاق کے اونچے سے اونچے قلعوں تک کو مسمار کر دیتی ہے یہ دونوں بہت حد تک ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اسی بنا پر انبیاء علیہم السّلام کے مقاصد میں ان دونوں کی اصلاح داخل تھی یہ کہنا غلط ہے کہ وہ صرف اخلاقیات کے معلم تھے۔

انسانی زندگی پر ایمان کے مجموعی اثرات

قرآن حکیم نے ایمان باللہ کے ساتھ رسالت اور آخرت وغیرہ جن جن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے نفسیاتی اثر کے لحاظ سے یہ مجموعہ انسان کو وہ سب کچھ دے دیتا ہے جس کی ایک صالح اور نمو پذیر معاشرہ کو ضرورت ہوتی ہے کلی اور عمومی حیثیت سے اس کی تعبیر اس طرح کی جا سکتی ہے۔

(۱) قلب کی اصلاح ہوتی ہے جو باطنی محرکات کا سرچشمہ ہے۔

(۲) ذہن اور زاویۂ نگاہ میں تبدیلی ہوتی ہے۔

(۳) اعلیٰ درجہ کی قوت ارادی پیدا ہوتی ہے۔

(۴) خیالات پر قابو رکھنے قوت فیصلہ کو مضبوط بنانے اور حرکات و سکنات میں شائستگی پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

(۵) زندگی کے ہر میدان میں سمجھ بوجھ کر قدم اٹھانے اور فکر و عمل کے ہر گوشہ میں حزم و احتیاط سے کام لینے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے جسے قرآن حکیم نے "تقویٰ" کے جامع لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ "تقویٰ" دراصل ایک نہایت لطیف روحانی

Marfat.com

کیفیت کا نام ہے جس کا تعلق "قلب" سے ہے اس سے انسان اتنا حساس بن جاتا ہے کہ خیر، شر میں تمیز کرنے لگتا ہے اور اتنا بیدار ہو جاتا ہے کہ قدم ڈگمگانے کی صورت میں فوراً خلش محسوس کرتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں ذات خداوندی "قلب مومن" میں جلوہ فرما رہتی ہے اور اسی کے "نور" سے وہ روشنی حاصل کرتا ہے۔

اتقوا فراسة المومن فانه — مومن کی "فراست" سے ہوشیار رہو

ینظر بنور اللہ (الحدیث) — کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے

(۶) ایسی سیرت پیدا ہوتی ہے جو زندگی پر چھا کر اس کی پوری دنیا بدل دیتی ہے۔

(۷) جلوت و خلوت ہر موقع پر انسان کی امانت و دیانت اور عدالت و شرافت کی محافظ ہوتی ہے۔

ایک طرف یہ صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں اور دوسری طرف تمام ان باتوں سے اجتناب ہوتا رہتا ہے جو اندرونی سرچشمہ کو گدلا کر کے بالآخر تمدن کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہیں مثلاً جمود و تعطل۔ غفلت و قساوت۔ جہالت و حماقت۔ ہوسناکی و شہوت پرستی۔ حرص و طمع۔ فحش و بدکاری۔ ناشائستہ و غیر مہذب حرکات۔ جاہلانہ و سوقیانہ اطوار اور خلق خدا کی ایذا رسانی وغیرہ۔

ایمان کو دل کی گہرائیوں میں اتارنے اور بار آور بنانے کے لئے تربیت کی ضرورت ہے

اس میں شک نہیں کہ یہ مجموعۂ ایمان بذات خود نفسیاتی تربیت گاہ اور اخلاقی مدرسہ ہے لیکن اسے دل کی گہرائی میں اتارنے کے لئے اور قومی و جماعتی زندگی میں بار آور بنانے کے لئے پھر بھی صالح قیادت اور اس کے زیر اثر تربیت کی ضرورت

باقی رہتی ہے۔

انسانی سرشت کی طرفگی و نیرنگی کا حال ہی کچھ عجیب ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ قدرت کی جانب سے صرف نقشۂ تعمیر (کتاب) نہیں عطا کیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی سرکاری سطح پر انجنیر (رسول) کا تقرر بھی ہوتا رہا ہے تاکہ وہ موانع اور رکاوٹوں کو دور کر کے نقشہ کے تمام خد و خال زندگی میں ابھارنے کے فرائض انجام دے چنانچہ قرآن حکیم نے تزکیۂ نفس اور تربیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اہم مقصد قرار دیا ہے۔ (وَيُزَكِّيهِمْ)

اور اصل کامیابی کا سہرا انھیں کے سر بندھا ہے جنھوں نے تزکیۂ نفس کیا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ ... وہ شخص کامیاب رہا جس نے اپنے

خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ..... کو برائیوں سے پاک و صاف کیا

..... اور وہ ناکام رہا جس کو برائیوں

..... نے دبا لیا۔

تزکیۂ نفس اور تربیت ہی کے ذریعہ قومی زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے اور شخصیت کی ٹھیک تنظیم ہوتی ہے۔ جدید دور کے مصنفین نے بھی تربیت پر کافی بحث کی ہے اور اس کو بقاء و ارتقاء کے لئے مدار قرار دیا ہے[۱]۔

نیز جن لوگوں کی نظر سے انقلاب کی تاریخیں گذری ہیں وہ جانتے ہیں کہ انقلاب کی کامیابی و استحکام کا تمام تر دار و مدار صرف افراد کی تربیت پر ہے جس قدر اس میں کوشش ہوتی ہے اسی قدر انقلاب میں استواری اور پائداری

---

[۱] ملاحظہ ہو نظام حال ج ۲ از موسیو ٹائین اور روح الاجتماع از لیبان۔

پیدا ہوتی ہے۔[۱] فلسفۂ تاریخ کا بھی یہی مسلمہ فیصلہ ہے کہ

"قومیں خطیبانہ بلند آہنگیوں اور جذبات انگیز استعارہ طرازیوں سے نہیں بنتی ہیں بلکہ اپنی تاریخی ماضی کے بعد افراد کی اعلیٰ ذہنی و اخلاقی قابلیتوں سے بنتی ہیں"

اور یہ صورت حال پیدا ہونا تربیت کے بغیر ناممکن ہے۔

(۲) عمل صالح

دوسرا بنیادی اصول "عمل صالح" ہے۔

قرآن حکیم نے جس حقیقت کو عمل صالح سے تعبیر کیا ہے اس سے چند ظاہری مراسم و اعمال اور چند رواجی نیکیاں مراد نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم اخلاقیت اور مادیت کے ہر شعبہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ البتہ پہلے کی حیثیت بنیاد کی ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے اور نہ عالمی تصرفات مفید عام بنتے ہیں۔ اسی بناء پر قرآن حکیم میں اسی کی زیادہ تر تفصیلات ملتی ہیں۔ رہی دوسری قسم (مادیت) تو مرکز اور بنیاد کے تعین کے بعد زمانہ کی مناسبت سے عقل اور تجربہ خود بخود اسے آگے بڑھاتا رہتا ہے اس لئے نہ اور کسی رہنمائی کی ضرورت ہے اور نہ کسی بیان میں اس کو سمیٹا جا سکتا ہے۔

لفظ صالح کی لغوی تحقیق اور چند محاورے	عمل صالح کی تحقیق و تفصیل یہ ہے۔ قاموس۔ صراح۔ المنجد۔ لسان العرب وغیرہ لغات میں ہے۔

[۱] ملاحظہ ہو انقلاب یورپ کی تاریخ ص۲ از فلسفۂ اجتماع۔

صَلُحَ ضد افسد الصالح ضد الفاسد القائم بما علیہ من الحقوق والواجبات ویقال ھو صالح لکذا ای فیہ اھلیۃ للقیام بہ والصلاحیۃ حالۃ یکون بہا الشیئ صالحاً۔"

(ترجمہ) "صلح (ماضی) افسد کی ضد ہے اور صالح (اسم فاعل) فاسد کی ضد ہے۔ جو حقوق و فرائض کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کرے وہ صالح ہے چنانچہ صالح لکذا" اس وقت بولتے ہیں جب کسی شخص میں کسی کام کے قائم (انتظام) کرنے کی اہلیت ہو۔ صلاحیت اس حالت کا نام ہے جس کے پیدا ہونے کے بعد شیئ صالح بنتی ہے۔"

کلام عرب کے چند محاورے یہ ہیں۔

(۱) صلحت[۱] حال فلان ای زال عنہ الفساد (۲) ھذا یصلح[۲] لک صلاحاً ای یوافقک (۳) اصلح[۳] غیث ما افسد البرد یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص دوسرے کی بگاڑی ہوئی چیز کو درست کرتا ہے۔ (۴) مالا یصلح[۴] ترکہ اصلح (۵) اصلح[۵] نفسک یصلح لک الناس (۶) لہ خظ[۶]

---

[۱] فلاں کی حالت صالح ہوگئی یعنی اس سے فساد کے جراثیم زائل ہوگئے۔ [۲] یہ تیرے لئے صالح ہے یعنی تیری موافقت کرتا ہے۔ [۳] جس کو اولے نے خراب کر دیا تھا اسے بارش نے درست بنادیا۔ [۴] جو چیز درست اور موافق نہ ہو اس کا ترک کر دینا زیادہ درست اور موافق ہے۔ [۵] اپنی اصلاح کرلے لوگ تیرے موافق ہوجائیں گے۔ [۶] اس کو ادب سے بہت کافی حصہ ملا ہے۔

Marfat.com

صالح من الادب ای کثیر وافر (۳) اتتنی صالحۃ من فلان ای نعمۃ وافرۃ او حسنۃ عظیمۃ۔

[۶] اوپر کے علاوہ دیگر ان میں صالح اور صالحہ کا لفظ بطور کنایہ استعمال ہوا ہے (بقیہ اوپر کے تمام محاورے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کلام عرب میں صالح کا لفظ جس موقع پر جس کام کے سلسلہ میں بولا جاتا ہے وہاں اس کی مناسبت سے صلاحیت اور موافقت مراد ہوتی ہے۔

قرآن حکیم میں صالح کے مفہوم کی عمومیت کا ثبوت

قرآن حکیم میں لفظ "صالح" کے استعمال میں عمومیت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ جیساکہ اس کا ثبوت درج ذیل آیات سے ہوتا ہے۔

لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ	اے اللہ اگر آپ ہمیں ایک تندرست
مِنَ الشّٰكِرِيْنَ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا	بچہ عطا فرمائیں تو ہم دونوں آپ
صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ	کے شکرگذار رہوں گے۔ پھر جب
فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ۔۔۔۔۔	اللہ نے انھیں ایک تندرست
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	بچہ دے دیا تو وہ اس میں دوسری
۔۔۔۔ ۱۸۹/۷	ہستیوں کو شریک کرنے لگے۔

بچہ پیدا ہونے سے پہلے والدین کے یہ جذبات ہوتے ہیں کہ میرا بچہ صحیح وسالم اور تندرست وخوبصورت ہو اس کے اعضاء۔ جوڑ بند۔ صورت شکل وغیرہ سب درست ہوں۔ والدین کے اس مفہوم کو قرآن حکیم نے "صالح" کے

---

[۵] فلاں شخص کی طرف سے ایک بڑی نعمت یا بڑی نیکی حاصل ہوئی۔

Marfat.com

جامع لفظ سے ادا کیا ہے چنانچہ مفسرین نے اس کا ترجمہ "سویٰ" "قد صلح بدنہ" "ولداً ذکراً" وغیرہ الفاظ سے کیا ہے جس میں والدین کے جذبات اور بچہ کی مناسبت سے صلاحیت کا مفہوم ملحوظ ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ	زمین کی اصلاح کے بعد اس میں
بَعْدَ اِصْلَاحِھَا ۵۶	فساد نہ پھیلاؤ۔

آیت میں دعوتِ حق کے ظہور کو اصلاح سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ اس کے ذریعہ قلوب میں صلاحیت کی تخم ریزی ہوتی ہے اور پھر اعمال و افعال کی شکل میں اس کے برگ و بار نمودار ہوتے ہیں۔

احادیث سے عمومیت کا ثبوت | لفظ "صالح" کے استعمال میں عمومیت کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے چنانچہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھکے ماندے اور بھوکے پیاسے اونٹ کو دیکھ کر فرمایا

اتقوا اللہ فی ھذہ البہائم	ان گونگے جانوروں کے بارے
المعجمۃ فارکبوھا صالحۃ	میں اللہ سے ڈرو۔ توی اور
واترکوھا صالحۃ[۱]	تندرست ہونے کی حالت میں
. . . .	ان پر سواری کیا کرو اور اسی
. . . .	حالت میں انھیں چھوڑ دیا کرو (ایسا

نہ ہو کہ جب وہ تھک تھکا کر سواری و بار برداری کے قابل نہ رہ جائیں اس وقت انھیں چھوڑ دو)

---

[۱] مشکوٰۃ۔

Marfat.com

حدیث میں دونوں جگہ "صالحہ" سے جسمانی صحت وقوت مراد لی گئی ہے۔
دوسری جگہ ہے

ان فی الجسد لمضغة اذا	انسان کے بدن میں گوشت کا
صلح صلح الجسد کله واذا	ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست
فسد فسد الجسد کله	ہو جاتا ہے تو پورا بدن درست
الا وھی القلب	رہتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا
(الحدیث)	ہے تو پورا بدن خراب ہو جاتا
- - - - - -	ہے وہ لوتھڑا انسان کا دل دباطنی
. . . . .	محرکات کا سرچشمہ ہے

اس میں قلبی وروحانی صلاحیت پھر اعمال وافعال کی صلاحیت کا تذکرہ ہے

مفسرین کی تصریحات سے عمومیت کا ثبوت

"صالح" کے بارے میں مفسرین کی رائیں درج ذیل ہیں۔

تفسیر مدارک میں ہے

والصالحات کل ما استقام	صالحات سے مراد تمام وہ اعمال
من الاعمال بدلیل العقل	ہیں جو درست اور صحیح ہوں خواہ
والکتاب والسنة[1]	ان کی صحت کتاب وسنت سے
	ثابت ہو یا عقل سے۔

قاضی بیضاویؒ کہتے ہیں۔

وھی من الاعمال ماسوغه تمام وہ اعمال جن کو شریعت نے

---

[1] مدارک ص۱۲۷۔

الشارع وحسنه ۔[1] جائز رکھا اور جن کی تحسین کی ہو

دوسری جگہ ہے۔

والفساد خروج الشیٔ — فساد کی حقیقت کسی شے کا حد اعتدال
من الاعتدال والصلاح — سے نکل جانا اور صلاح اس کی
ضدہ وکلاھما یعمان — ضد ہے یہ دونوں بالترتیب ہر
کل ضار ونافع[2] — نقصان دہ اور نفع بخش چیزوں
کو عام ہیں

شیخ محمد عبدہٗ مصری کہتے ہیں

وھی الاعمال التی عدادت — وہ اعمال جن کی تفصیل قرآن حکیم
بالتفصیل فی القرآن و — میں ہے خلاصہ یہ ہے کہ تمام وہ
جماعھا ان تکون نافعا — کام مراد ہیں جو اپنی ذات کے لئے
لنفسك ولاھلك ولقومك — گھر والوں کے لئے قوم کے لئے
والناس اجمعین[3] — اور تمام لوگوں کے لئے نافع ہوں

مذکورہ بالا تصریحات سے حسب ذیل دو باتیں ثابت ہوئیں ۔

(۱) صالح کا مفہوم عام ہے موقع کی مناسبت سے اس کا تعین ہوتا ہے

(۲) جسمانی و روحانی دونوں قسم کی صلاحیتوں کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے۔

---

[1] بیضاوی ص۳۲ ۔ [2] بیضاوی ص۲۹ ۔

[3] تفسیر پارہ عم سورہ والعصر ص۱۵۵ ۔

Marfat.com

قیام و بقا کے لیے عمل صالح کے ذکر میں سیرت کی تشکیل اور عالمی تصرفات دونوں مراد ہیں

قرآنی نقطۂ نظر کے مطابق "اصلح" بننے کے لئے اخلاقیت اور مادیت دونوں کی ضرورت پہلے مذکور ہو چکی ہے اس لئے جہاں کہیں بھی قیام و بقار اور خلافت کے سلسلہ میں عمل صالح کا ذکر آیا ہے وہاں (۱) سیرت کی تشکیل اور (۲) عالمی تصرفات دونوں قسم کی صلاحیتیں مراد ہوں گی۔ مثلاً

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ ۲۱/۱۰۵

ہم نے زبور میں ذکر و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ زمین کی وراثت (حکومت) میرے صالح بندوں کے حصہ میں آئے گی

مومنوں سے وعدہ ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔ ۲۴/۵۵

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انھیں زمین میں اپنا خلیفہ (حاکم) بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو اسی بنا پر) خلیفہ بنا چکا ہے اور جس دین کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ جما دے گا (اور خوف کے بدلہ انھیں امن عطا فرمائے گا)

Marfat.com

قاعدہ کی بات ہے کہ جب کارخانہ کا مالک کسی ناقابل شخص کو کارخانہ کا انتظام نہیں سپرد کرتا ہے تو اس بات کی کیسے توقع رکھی جائے کہ دنیا کے کارخانے کا انتظام کسی نااہل قوم کے سپرد کر دیا جائے گا۔ جب زندگی کے ہر گوشہ میں یہ اصول کارفرما ہے کہ انسان جس درجہ کی چیز کا طلب گار ہو اس کی مناسبت سے صلاحیت پیدا کرنا ضروری ہے تو قیام و بقا اور حکومت و نیابت کے معاملہ میں یہ اصول کیونکر خاموش ہوگا اور اس کی تیاری کئے بغیر صرف مذہبی خوش اعتقادی کی بنا پر اہلیت و صلاحیت کی کیسے سند مل جائے گی؟

قرآن حکیم نے دونوں پر یکساں زور دیا ہے

جدید دنیا نے اس صلاحیت کے لئے عالمی تصرفات پر زیادہ زور دیا ہے اور تشکیل سیرت کے معاملہ میں بہت حد تک غفلت سے کام لیا ہے لیکن قرآن حکیم نے دونوں پر یکساں زور دیا ہے اور سیرت کی تشکیل کو بنیاد ٹھہرایا ہے۔ تاکہ مادیت کے مضر اثرات سے حفاظت رہے

رہی یہ بات کہ قرآن حکیم نے عالمی تصرفات کی تفصیلات کیوں نہیں بیان کیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیرت سازی کے مقابلہ میں یہ کام زیادہ آسان ہے کیونکہ اس میں باہر کی رہنمائی کی ضرورت نہیں پڑتی ہے بلکہ عقل و تجربہ کی رہنمائی ہی کافی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ عالمی تصرفات انسان کی غیر محدود خواہشوں اور ضرورتوں کی پیداوار ہیں اور یہ دونوں بیحد متنوع اور معاشرہ کی ارتقاء کے ساتھ بدلنے والی ہیں بخلاف اس کے سیرت کا نظام چند ابدی حقائق اور ناقابل تغیر اخلاقی قوانین پر قائم ہے اس لئے ایک پر قرآن حکیم نے تفصیلی بحث کی ہے اور دوسری

Marfat.com

میں مرکز اور بنیاد متعین کرنے پر اکتفار کیا ہے۔ پھر بھی جن لوگوں نے قرآن حکیم کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ایک بڑے حصّہ میں اس نے حقائق موجودات۔ محاسن کائنات۔ مناظر قدرت۔ مظاہر فطرت اور تسخیر کائنات کا ذکر کیا ہے اور بہت سی آیتوں میں زمین۔ پہاڑ۔ دریا۔ نہریں۔ پھل۔ کھیت۔ سورج۔ چاند۔ ابر۔ بارش۔ آگ۔ مٹی۔ ہوا۔ پانی وغیرہ کا تذکرہ ہے جس سے یہی مقصد ہے کہ انسان اپنی ضرورت اور خواہش کے مطابق ان سے فائدہ اٹھائے۔ اور ان میں غور و فکر کے ذریعہ ایسی جدت پیدا کرلے کہ جس سے ایک طرف تو صناع فطرت کی گل کاریوں کا راز افشار ہو اور دوسری طرف باغ کے سجانے میں وہ زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو۔

اصل یہ ہے کہ کائنات کی جو امانت انسان کے سپرد ہے اور ینابتی صلاحیتیں جو اسے عطا کی گئی ہیں ان سے اس وقت تک عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جب تک ارتقار کی فطری رفتار کے مطابق مادی و معنوی ہر گوشہ میں اپنے قیام و بقاء کا سامان نہ فراہم کرلے۔

عالمی تصرفات سے متعلق چند آیتیں

ذیل میں چند آیتیں ذکر کی جاتی ہیں جن میں عالمی تصرفات کا بیان ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اے پیغمبر آپ ان لوگوں سے کہئے کہ اللہ کی زینتیں (جائز لذات) جو اس نے بندوں کے برتنے کے لئے پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی

Marfat.com

خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ ۔ ۔ اچھی چیزیں کس نے حرام کی ہیں ؟
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کہئے کہ یہ نعمتیں تو اسی لئے ہیں کہ
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دنیوی زندگی میں ایمان والوں کے
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کام آئیں قیامت کے دن یہ تکدر کی
۷/۳۲ آمیزش سے خالص ہوں گی۔

ابو بکر جصاصؒ کہتے ہیں۔

وھی خالصۃ یوم القیمۃ لھم من شوائب التنقیص والتکدر[1] — مومنوں کے لئے قیامت کے دن نقص اور تکدر سے پاک وصاف ہوں گی۔

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۔ ۔ ۔ ۔ — وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے واسطے زمین کی ساری چیزیں
۲/۲۸ ۔ ۔ ۔ ۔ پیدا کیں۔

وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ — ہم نے تمھیں زمین میں قدرت و طاقت اور اختیار کے ساتھ بسایا اور تمھارے لئے اس میں زندگی کے سامان مہیا کئے۔
۷/۱۰ ۔ ۔ ۔ ۔

وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَہٗ بِرَازِقِیْنَ۔ — ہم نے تمھارے لئے معیشت کا سروسامان مہیا کر دیا اور ان مخلوقات کے لئے بھی جنھیں تم مہیا کرنے

---

[1] احکام القرآن ج ۳ ص ۱۴۱۔

۱۵/۱۹ والے نہیں ہو۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى — انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے

۵۳/۴۱ نُوَفّٰٓى اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ۔ — عمل کے نتائج ہم پورے پورے دیتے ہیں۔

اس سے بحث نہیں ہے کہ کوشش و عمل کرنے والی قوم صرف طالب دنیا ہے یا طالبِ دنیا و آخرت۔

ان کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جن میں نظام کائنات کا ذکر ہے اور تیفکرون و تعقلون وغیرہ الفاظ کے ذریعہ غور و فکر اور تحقیقات کی دعوت دی گئی ہے اسی طرح بہت سی آیتوں میں تسخیر کائنات کی خبر دی گئی ہے جس کا مقصد انسان کو اس کی صلاحیتوں کی طرف توجہ دلا کر تسخیر کے کام پر لگانا ہے۔

اس قسم کی تمام آیتوں میں یہ ضروری نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان میں اللہ کا ذکر ضرور آگیا ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق و جستجو کی ہر دوڑ اور غور و فکر کے ہر میدان میں اللہ کی مرکزیت اور اس کی ماتحتی مسلم ہونی چاہیئے ورنہ عملی دنیا میں بھیانک نتائج سے تحفظ کی کوئی ضمانت نہ رہے گی۔

عالمی تصرفات سے متعلق رسول اللہ کے چند انتظامات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے مطابق عالمی تصرفات کے سلسلہ میں حسب ذیل انتظامات کئے تھے۔

Marfat.com

(۱) تعلیم پر کافی زور دیا اور اسے عام کرنے کے لئے مختلف انتظامات کئے۔
(۲) صحابیوں کو دوسری زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔ فارسی۔ حبشی۔ عبرانی یونانی وغیرہ۔
(۳) مختلف علوم وفنون سیکھنے کی تاکید فرمائی۔ ریاضی۔ طب۔ ہیئت۔ انساب۔ تجوید وغیرہ۔ اسی طرح نشانہ بازی۔ تیراکی۔ شہسواری۔ تلوار چلانا وغیرہ۔
(۳) فنون حرب کی ترقی پر خصوصیت سے توجہ فرمائی اور جہاں سے بھی اچھی چیز ملی اسے اختیار کرنے کا حکم دیا۔ فوجوں کی مشقیں۔ گھوڑوں۔ اونٹوں اور گدھوں کی دوڑ۔ تیر اندازی کا مقابلہ۔ فوجی اسپورٹ۔ اصطبل اسلحہ خانہ وغیرہ۔
(۵) نوجوانوں کی تربیت اور ان کی حوصلہ افزائی کو بہت اہمیت دی۔ ان کی ذاتی صلاحیتوں کی مناسبت سے یک فنی مہارت کا موقع بہم پہنچایا اس طرح اسلامی نوجوانوں نے زندگی کے تمام شعبوں میں حصہ لیا اور حتی الامکان اس کا انتظام کیا گیا۔
(۶) معاشی تنظیم کی طرف سب سے پہلے توجہ کی مکہ میں نومسلموں کے درمیان بھائی چارہ کا نظام قائم کیا اور مدینہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان۔
(۷) عورتوں کی تعلیم وتربیت کا علیحدہ انتظام کیا اور ان کے مناسب مختلف مشغلوں کی طرف توجہ دلائی حالانکہ رسول اللہؐ سے پہلے دنیا کی ترقی صرف مردوں کی مرہون منت سمجھی جاتی تھی لیکن آپ نے اس اہم کام میں

Marfat.com

حسب حیثیت دونوں کو شریک ٹھہرایا۔[1]

ان کے علاوہ قیام و بقاء کے لئے جو بھی انتظامات ضروری تھے ان سب کا انتظام فرمایا اس سلسلہ میں اگر کچھ چیزیں دنیا کی دوسری قوموں سے لینی پڑیں تو دینی و قومی خصوصیات کو محفوظ رکھتے ہوئے جہاں سے بھی جو مفید چیز ملی اس کے اختیار کرنے میں کسی قسم کا تامل نہیں ہوا اور یہ ساری چیزیں بعد میں اسلامی تہذیب و تمدن کا جزو بنیں۔

اس سلسلہ میں مفسرین و محققین کی رائیں۔

ذیل میں عالمی تصرفات سے متعلق مفسرین و محققین کی رائیں نقل کی جاتی ہیں۔

امام ابوبکر جصاصؒ اس سلسلہ کی آیتیں نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

یحتج بجمیع ذلک فی ان الاشیاء علی الاباحۃ مما لا یحظرہ العقل فلا یحرم شیئ الا ما قام دلیلہ[2]	ان تمام آیتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جن چیزوں سے عقل نہ روکے وہ سب مباح ہیں البتہ جن کی حرمت پر دلیل قائم ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔
. . . . .	

امام غزالیؒ کہتے ہیں

ظن من یظن ان العلوم العقلیۃ مناقضۃ للعلوم	جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عقلی علوم شرعی علوم کے مخالف ہیں

---

[1] ملاحظہ ہو جمع الجوامع للسیوطی۔ عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔ سیر الصحابیات اور مقالات شبلی ج ۱۔ [2] احکام القرآن ج ۱ ص ۳۰۔

الشرعية وان الجمع بينهما غير ممكن هو ظن صادر عن عمى فى عين البصيرة[1]

اور دونوں کا جمع کرنا ناممکن ہے اُن کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہیں۔

قاضی بیضاویؒ نے خلافت آدم کی بحث میں کہا ہے کہ

"اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو زمین کی آباد کاری لوگوں کی سیاست ان کے نفوس کی تکمیل اور ان میں اللہ کا حکم نافذ کرنے زندگی کے ہر معاملے میں اپنا خلیفہ بنایا"[2]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے سیرت کی تشکیل اور عالمی تصرفات دونوں کے آمیزہ پر نہایت قیمتی بحث کی ہے جس سے ایمان میں تازگی اور دل میں سرور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے[3]

علامہ ابن تیمیہؒ کا قول کہ دین کی تکمیل قوت حرب جہاد اور مال کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے

امام ابن تیمیہؒ نے ایک دوسرے انداز میں اس بحث کو اٹھایا ہے وہ کہتے ہیں۔

"اس وقت ہمارے سامنے دو فاسد راستے ہیں ایک ان لوگوں کا جو دین کی طرف منسوب ہیں لیکن قوت حرب جہاد اور مال سے جن کا دین خداوندی محتاج ہے دین کی تکمیل نہیں کرتے ہیں اور دوسرا راستہ ان والیان حکومت کا ہے جو مال حربی قوت اور جہاد سے کام لیتے ہیں لیکن اس سے ان کا مقصد اقامت دین نہیں ہے یہ دونوں ان لوگوں کے راستے ہیں جن پر غضب نازل ہوا یا گمراہ ہیں"

---

[1] بیضاوی ص ۵۹ ۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ باب الارتفاقات۔

Marfat.com

آگے چل کر کہتے ہیں۔

"پس دین کا قوام کتاب ہادی اور حدید ناصری (تلوار)" عمومی حیثیت سے سیرت کی تشکیل اور عالمی تصرفات" کے بغیر ممکن نہیں اس لئے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی رضاجوئی کے لئے دونوں کو باہم مجتمع کرنے کی جدوجہد کرے"[۵۱]

اس بارے میں ڈاکٹر "جونزیف ہیل" کی تحقیق یہ ہے۔

"انبیاء و رسل اور بانیان مذہب نے اپنے زمانے اور اپنی قوم کی تہذیب و تمدن میں حصہ لیا ہے لیکن جو عالمگیر تبدیلیاں اسلام سے براہ راست نہایت سرعت کے ساتھ مرتب ہوئی ہیں ان کی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں ملتی ہے"[۵۲]

"روسو" کی فاش غلطی کا ثبوت

مذکورہ تصریحات کی روشنی میں "روسو" کا یہ قول قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ

"حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں ایک روحانی سلطنت قائم کرنے کے لئے تشریف لائے جس نے مذہبی اور سیاسی نظام کو جدا کر کے ریاست کی وحدت مٹا دی اور اندرونی تفرقے پیدا کر دیئے جنھوں نے عیسائی اقوام کو کبھی چین نہ لینے دیا"[۵۳]

دراصل دین الٰہی میں دنیا اور دین مذہب اور سیاست کی تفریق کبھی نہیں ہوئی ہے یہاں کا قانون ہی نرالا ہے یہاں ہر وہ شئے دنیا ہے جو حق سے

---

[۵۱] سیاست الٰہیہ ص ۲۲۱۔ [۵۲] تمدن عرب ص ۲۳۔ [۵۳] معاہدۂ عمرانی ص ۲۳۸۔

Marfat.com

روک دے اور ہر وہ شئے دین ہے جو حق پر لگا دے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الدنیا ما یشغلک عن الحق[1] دنیا وہ ہے جو تجھے حق سے روک دے

یہ تفریق مذہب کے ماننے والے اپنی اپنی اغراض کی بنا پر بعد میں پیدا کرتے ہیں اس لئے اس قسم کے الزام ماننے والوں پر تو درست ہوتے ہیں بانیان مذہب کے دامن اس سے پاک و صاف ہوتے ہیں۔

(۳) تَوَاصِیْ بِالْحَقِّ

تیسرا بنیادی اصول "تواصی بالحق" ہے اس کی تحقیق و تفصیل مندرجہ ذیل ہے

تواصی کی لغوی صرفی اور اصطلاحی تحقیق

تواصی "وصیت" سے بنا ہے وصیت کا مادہ اس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو انسان کہہ کر مر جاتا ہے لیکن قرآن حکیم میں یہ ہر تاکیدی و واجبی حکم کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔[2]

عربی گرامر کے مطابق "تواصی" باب تفاعل سے ہے جو مصدر اس باب سے آتا ہے اس میں شرکت کے معنی پائے جاتے ہیں اس طرح کہ ہر فرد سے فعل کا صدور ضروری ہوتا ہے۔

فعل میں شرکت باب مفاعلت میں بھی ہوتی ہے لیکن اول میں صورۃً و معناً ہر فرد فاعل کی حیثیت رکھتا ہے اور ثانی میں یہ شرکت صرف معناً ملحوظ ہوتی ہے صورۃً نہیں ہوتی ہے۔

---

[1] انفاس رحیمیہ۔ [2] تفسیر عزیزی۔

Marfat.com

اس فرق کی غالباً وجہ یہ ہے کہ ہر فرد سے فعل کا صدور جس شدت اور یکسانیت کے ساتھ اول میں ہوتا ہے ثانی میں وہ شدت اور یکسانیت نہیں پائی جاتی ہے ویسے دونوں میں ہر ایک سے فعل صادر ہوتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ دوسرا شریک ہوتا ہے۔

مادۂ وصیت لانے میں نکتہ

اس موقع پر مادۂ وصیت لانے میں یہ نکتہ ہے کہ قرآنی نقطۂ نظر کے مطابق قیام و بقار کی جد وجہد اس وقت تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتی جب تک انسان اپنے مفاد و مرغوبات کو فنا کر کے ترک و اختیار کی کسوٹی پر پورا نہ اترے اور اس کے ہاتھ پاؤں زبان و قلم عقل و دماغ وغیرہ دوسرے کے بقار کا سامان فراہم کرنے کے لئے وقف نہ ہو جائیں۔

جس طرح وصیت کرنے والے کی وصیت کا تمامتر تعلق دوسروں سے وابستہ ہوتا ہے اور موصی (وصیت کرنے والا) کی ذات کا سوال نہیں باقی رہتا ہے اسی طرح یہاں انسان کی ساری جد و جہد دوسروں کے مفاد سے متعلق ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ وصیت بالعموم عزیز قریب رشتہ دار وغیرہ کے لئے کی جاتی ہے جن سے انسان کا نہایت قریبی تعلق ہوتا ہے اور جن کی مصیبت اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے قرآن حکیم کی نظر میں ایسا ہی تعلق قومی و جماعتی زندگی میں ہونا چاہیئے کہ آپس میں ہر فرد دوسرے کی تکلیف سے بے چینی محسوس کرے اور اس کے لئے جو کچھ کہہ سکتا اور کر سکتا ہے مرتے دم تک کہتا اور کرتا رہے۔

Marfat.com

وصیت کے مادہ میں ذمہ داری اور نگرانی کا مفہوم پایا جاتا ہے

وصیت کے مفہوم میں ذمہ داری اور نگرانی کے معنی بھی ملحوظ ہیں چنانچہ کلام عرب میں یہ مادہ جہاں کہیں استعمال ہوا ہے اگر بطور کنایہ نہیں مستعمل ہے تو اس کا ضرور لحاظ رکھا گیا ہے اسی بنا پر "وصی" اس کو کہتے ہیں جسے ذمہ دار بنایا جاتا ہے اور جس کے سپرد معاملہ کیا جاتا ہے "والوصی اسم یقع علی من تکل الیہ امرک" محاورہ ہے "کن وصی نفسک" تو اپنا وصی (ذمہ دار و نگران) بن جا "کن من توصی الیہ نفسک" مطلب یہ ہے کہ جماعت کا ہر فرد دوسرے کے لئے یہ سمجھے کہ میں اس کا ذمہ دار ہوں اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنا میرا فرض منصبی ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الا کلکم راع و کلکم	خوب غور سے سن لو ہر شخص تم میں
مسئول عن رعیتہ	کارا عی ہے اور ہر شخص سے اسکی
(الحدیث)	رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی

"راعی" کے معنی حفظ الغیر لمصلحتہ[1] دوسرے کی حفاظت اس کی مصلحت کے مطابق کرنا۔ اس لحاظ سے راعی وہ ہوگا جو کسی کا منتظم اور نگراں ہو "الراعی" کل من ولی امر قوم[2]"

اسی ذمہ داری و نگرانی کی وجہ سے قوم کی تباہی و بربادی کے وقت کوئی فرد محفوظ نہیں رہتا بلکہ سب اس کی زد میں آجاتے ہیں ظالم و بدکار اپنے جرم کی بنا پر اور غیر ظالم و بدکار اس لئے کہ انھوں نے ظلم کرتے وقت ظالم

---

[1] بیضاوی۔ [2] المنجد۔

Marfat.com

کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑا جیسا کہ آیت میں ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ	اس فتنہ سے بچتے رہو جس کی گرفت
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ	میں صرف ظالم ہی نہ آئیں گے بلکہ
خَاصَّةً ۸/۲۵	سبھی اس کی لپیٹ میں ہوں گے۔

تواصی جذبہ واسپرٹ کے ساتھ ہونی چاہیئے

مذکورہ ذمہ داری کی ادائیگی محض ڈیوٹی کی حیثیت سے نہ ہونی چاہیئے بلکہ خاص قسم کے جذبہ اور اسپرٹ کا پایا جانا بھی ضروری ہے "تواصی" کے مفہوم میں اس کی رعایت اس طرح مقصود ہے کہ قومی و جماعتی زندگی میں خاص قسم کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اقدام۔ عزم۔ شجاعت جانبازی وغیرہ زندگی کے عناصر سب ایمان ہی کی بدولت پیدا ہوتے ہیں۔ اس بنا پر ایمان کے بعد کوئی شے بھی جذبہ سے خالی نہیں ہو سکتی ہے۔

اس کے علاوہ "تواصی" کو تنظیم کا بنیادی اصول قرار دینا خود اس بات کی شہادت ہے کہ یہاں تمام حکم و احکام میں اجتماعی طور پر آگے بڑھانے کا جذبہ ملحوظ ہے۔ چنانچہ فوج کی تنظیم و تربیت میں جس پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے وہ اندرونی قوت کی مضبوطی اور یہی "اسپرٹ" ہے

رسول اللہ کی بیان کردہ ایک مثال سے جذبہ کی وضاحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ جذبہ کی اس طرح تشریح بیان کی ہے۔

"فرض کرو ایک بحری جہاز ہے جس کے اوپر نیچے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور سب کی ضرورت کا سامان پانی وغیرہ جہاز کے بالائی حصہ پر رکھا ہوا ہے نچلے حصے کے لوگ پانی کے اوپر آتے رہتے ہیں۔ اگر اوپر

Marfat.com

والے جذبۂ اشتراک ماتحت پانی دیدیتے ہیں تو سب کا کام اطمینان سے چلتا رہتا ہے اور کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں پیش آتا۔ لیکن اگر یہ اس بنا پر پانی دینے سے انکار کرتے ہیں کہ ان کے آنے سے معمولی تکلیف ہوتی ہے تو وہ پانی کی فراہمی کے لئے دوسری تدبیریں کرنے پر مجبور ہوں گے چار و ناچار انھوں نے یہ سوچا کہ چھوٹا سوراخ کرکے سمندر سے پانی حاصل کیا جائے چنانچہ وہ سوراخ کرنے لگے۔

اب اگر اوپر والے نہ تو سوراخ سے روکیں اور نہ ہی پانی کا بندوبست کریں تو ظاہر ہے کہ جہاز میں سوراخ ہونے کے بعد اس میں پانی بھرے گا اور وہ ڈوب جائے گا پھر نہ سوراخ کرنے والے بچیں گے اور نہ اس سے چشم پوشی و غفلت کرنے والے۔"

یہ حدیث جماعتی زندگی کی نفسیات اور اس کے مطالبات سمجھنے کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جماعتی زندگی کو سمندری جہاز پر سواری کے ساتھ تشبیہ دینا اس کی ضروریات کو پانی جیسی اہم چیز کے ذریعہ بیان کرنا تکلیف کے باوجود تعاون و اشتراک کے جذبہ کو نظر انداز نہ کرنا اور خلاف ورزی کی صورت میں جہاز میں سوراخ ہونا اگرچہ یہ سوراخ اہم ضرورت کی بنا پر کیا گیا ہو اور اس کے نتیجہ میں جہاز ڈوب جانا یہ ساری باتیں نہایت غور و فکر کی مستحق ہیں۔

ایک اور مثال کے ذریعہ اس کی وضاحت

ایک اور مثال کے ذریعہ جذبہ کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے۔

دیہات میں جہاں "فائر بریگیڈ" کا انتظام نہیں ہوتا ہے جب وہاں کسی

Marfat.com

کے گھر آگ لگتی ہے تو بجھانے کے لئے سب اہل محلہ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ وہ منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے کوئی پانی لئے دوڑ رہا ہے کوئی کنوئیں سے پانی نکال رہا ہے کوئی سامان نکال کر باہر پھینک رہا ہے غرض مرد۔ عورت۔ بچے سب اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں اور جتنی کوشش و امداد کی سکت رکھتے ہیں اس سے دریغ نہیں کرتے ہیں ایسی حالت میں اپنے پرائے دوست دشمن کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے ذاتی رنجشیں اور دلی کدورتیں کافور ہو جاتی ہیں بس ان کے سامنے آگ بجھانے کا مقصد ہوتا ہے اور یہ خطرہ کہ اگر معمولی سی غفلت برتی گئی تو پل بھر میں آگ کے شعلہ پورے محلہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے جس کی بناء پر وہ سب بھاگ دوڑ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں سب مصروف رہتے ہیں اور تمام کو مصروف رکھتے ہیں۔

قیام و بقاء کی جد وجہد کے لئے بھی اسی قسم کا جذبہ درکار ہے یہ تو ہنگامی صورت حال کی مثال ہے لیکن بسا اوقات اجتماعی زندگی کے معمولی خطرات جن کی طرف توجہ کرنے کی بظاہر ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہے وہ بھی ہنگامی کا درجہ حاصل کر کے پوری قوم کی ہلاکت کا موجب بنتے ہیں اس لئے یہاں کے معمولی خطرہ میں بھی ہنگامی اثرات مضمر ہوتے ہیں اور اسی مناسبت سے جد وجہد کے متقاضی بنتے ہیں۔

قومی، وطنی اور مذہبی جذبات میں سب سے زیادہ موثر جذبہ مذہبی ہے

رہی یہ بات کہ وطنی۔ قومی۔ اور مذہبی جذبات میں یہاں کون مراد ہے؟ اور زیادہ موثر کون ہے؟

یہ تو ظاہر ہے کہ یہاں مذہبی جذبہ مراد ہے البتہ زیادہ موثر بھی وہی ہے اس کی تشریح کی ضرورت ہے۔ جن لوگوں نے انقلابات کی

Marfat.com

ریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اور پس منظر کو بھی سمجھا ہے انھیں اس حقیقت
لے اعتراف میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ سب سے زیادہ مؤثر جذبہ مذہبیت
ہے اس لئے کہ وہ میں بنیادی عنصر (۱) عقائد میں عمومیت (۲) فوائد میں عمومیت
(۳) احساس میں عمومیت[1] جو زندگی میں ہم آہنگی اور روح پیدا کرتے ہیں
س جذبہ میں زیادہ عمدگی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

مذہبی جذبہ ہی بڑی سلطنتوں کے قیام اور تاریخی انقلاب کا باعث بنا ہے

چنانچہ فلسفۂ تاریخ کا یہ مسلمہ فیصلہ ہے کہ دنیا میں بڑی بڑی سلطنتوں کے قیام اور تاریخی انقلاب کے پس پشت ہمیشہ مذہبی جذبہ ہی کارفرما رہا ہے۔ ماضی
قریب میں یورپ کی نشأۃ ثانیہ کی تاریخ اس کا بین ثبوت ہے۔

"لوتھر" کی مذہبی و اصلاحی تحریک کا اثر اس قدر ہمہ گیر ثابت ہوا کہ اس کے
بعد کی ہر تحریک میں مذہبی جذبہ کارفرما رہا ہے جیسا کہ

"ڈلتھائی" نے مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جرمنی۔ انگلستان اور
فرانس وغیرہ کی علمی و فلسفیانہ تحریکات کے نشو و نما میں بھی مذہب ہی کارفرما تھا۔
اور مغرب کی جدید روح ایک وسیع مذہبی تصور ہی کا نتیجہ ہے۔

"نظریہ ارتقاء" کے بارے میں بھی بعضوں کا خیال ہے کہ اس کی بنیاد مذہبی
تصور پر قائم ہے کیونکہ اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقاء ہے اور سب سے
اعلیٰ خدا ہے[2]۔

اس نظریہ میں مذہبی تصور مان لینے سے یہ شبہہ ضرور ہوتا ہے کہ جب انسان

---

[1] فلسفۂ جذبات ص ۱۱۲۔ اور روح الاجتماع [2] ملاحظہ ہو مقدمہ لیتا نوری کا فلسفۂ تمدن و تعلیم

Marfat.com

ابتدائی حالت میں حیوان تھا تو کیا اس وقت بھی اس میں مذہبی جذبہ موجود تھا؟
لیکن اس کا جواب ماہرین نفسیات نے یہ دیا ہے کہ دراصل مذہبی جذبہ کا تعلق کسی
ایک جذبہ کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ یہ چند جبلتوں کے آپس میں امتزاج اور عمل
کا نہایت پیچیدہ اور عجیب وغریب نتیجہ ہے ان چند جبلتوں کے لئے یہ ضروری نہیں
ہے کہ وہ مذہبی نوعیت کی ہوں کیونکہ دو یا چند چیزیں جب الگ الگ رہتی ہیں
ان کے خواص واثرات مختلف ہوتے ہیں اور جب مل جاتی ہیں تو ان کے خواص
واثرات میں یکسر تبدیلی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح دو متضاد وصف کے آپس میں اشتراک وامتزاج سے
ایک تیسرا وصف پیدا ہو جاتا ہے جو ان کی انفرادی نوعیت کے لحاظ سے مختلف
ہوتا ہے اس بنا پر مذکورہ جبلتیں اگرچہ مذہبی نوعیت کی نہ تھیں لیکن تدریج تر
کے نتیجہ میں تاثیر اور تأثر کا جو عمل ان میں ہوا اس عمل کے نتیجہ میں مذہبی جذبہ نمو
ہو کر انسان کی جبلت میں داخل ہو گیا۔

مذہبی جذبہ انسان کی جبلت میں داخل ہے	اس کے علاوہ یورپ کے اکثر مصنفوں نے مذہبی جبلت کو انسان کی اساسی صفتوں میں داخل مانا ہے۔

"رینان" کے نزدیک مذہبی جبلت انسان میں ایسی ہی فطری ہے جیسے
چڑیوں میں گھونسلا بنانا ان کی فطرت میں ہے[1]۔

نٹشے۔ کانٹ۔ ہنسانوری وغیرہ فلسفیوں نے نہایت وثوق کے ساتھ
کہا ہے کہ نفس انسانی کا جوہر مذہبی احساس ہے اور تمدنی زندگی کے لئے ضرور

---

[1] معاشرتی نفسیات ص ۸۵۔

منزلہ روح کے ہے۔[۱]

ان تمام یتقنات کے باوجود تعجب ہے کہ ڈاکٹر "مرسیر" جیسے فلسفۂ جذبات کے نمایندہ نے مذہبی جذبہ کو زیادہ اہمیت نہیں دی اور کہا کہ

"جذبۂ مذہبیت محض آرائش و تکلفات کا کام دیتا ہے اور جماعت کے لئے کوئی افادی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔[۲]"

ڈاکٹر موصوف کے اس خیال کا محل سیاسی اور مفاد پرست لوگ بے شک ہیں کہ وہ مجلس کی آرائش و مقصد برآری کے لئے اس جذبہ کے ساتھ کھیلتے ہیں لیکن مذہبی جذبہ کی اصل نوعیت کے بارے میں ان کا یہ خیال قطعاً غلط و بے بنیاد ہے اور حقائق کے جھٹلانے کے مرادف ہے۔

اجتماعیین کے نزدیک مذہب کی ایک وسیع توجیہ

یہاں یہ بتا دینا مناسب ہے کہ فلسفہ و اجتماع کے ماہرین اثر اندازی میں صرف اسی مجموعۂ عقائد کو مذہبی حیثیت نہیں دیتے ہیں جو کسی معبود کی عبادت۔ اور اس کی پرستش پر مبنی ہو بلکہ کبھی حیرت انگیز نظریہ اور وہ خیال جو عوام کی توجہ اپنی جانب مبذول کرلے وہ بھی معبود کی قائم مقامی حاصل کرکے مذہب کا پارٹ ادا کرتا ہے بشرطیکہ عوام کوئی مخفی طاقت اس میں محسوس کریں یا عام سطح سے کوئی اونچی چیز انھیں نظر آئے۔[۳]

مذہب کی اس وسیع توجیہ کی بنا پر "کمیونزم تحریک" بھی ایک مذہبی تحریک بن جاتی ہے اور اس کی کامیابی بھی مذہب کی مرہون منت قرار پاتی ہے۔

---

[۱] نیانوری کا فلسفہ ص ۱۸۵ [۲] فلسفۂ جذبات ص ۱۱۲ [۳] روح الاجتماع ص ۱۱۵۔

Marfat.com

بہرحال دنیا کا مزاج ہی کچھ اس قسم کا ہے کہ کسی تحریک میں جب تک مذہ
رنگ نہ بھرا جائے کوئی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا ہے۔

الحق کی لغوی تحقیق | وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ میں الحق کی لغوی تحقیق یہ ہے۔

لفظ "الحق" حق یحق کا مصدر ہے جس کے معنی ثبوت اور قیام کے ہیں
کلام عرب میں یہ جہاں کہیں بھی استعمال ہوتا ہے وہاں ثبوت۔ قیام۔ نہ ٹلنا۔
نہ ٹنا وغیرہ مفہوم کا پایا جانا یقینی ہے۔

اسی بنا پر جو کپڑا نہایت مضبوط اور پائدار بنا جاتا ہے اسے "ثوب محق"
کہتے ہیں امام راغب اصفہانیؒ کہتے ہیں۔

اصل الحق المطابقة والموافقة[۵۲]۔	الحق کی اصلیت مطابقت اور موافقت ہے۔

یعنی جب کہا جائے کہ یہ قول و فعل حق ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ
حقیقت و نفس الامر کے مطابق و موافق ہے۔

قاضی بیضاویؒ نے یہ معنی بیان کئے ہیں۔

الحق الثابت الذی لا یسوغ انکارہ[۵۳]	الحق وہ حقیقت ثابتہ ہے کہ جس کا انکار کرنا آسان نہ ہو۔

تفسیر مدارک اور تفسیر مظہری میں بھی یہی معنی مذکور ہیں[۵۴]۔

زیر بحث "الحق" کے مفہوم کی تشریح | زیر بحث مقام پر مفسرین کی تصریحات درج ذیل ہ

---

[۵۱] حاشیہ بیضاوی ص ۵۳ و روح المعانی ص ۱۹۱ [۵۲] مفردات القرآن [۵۳] بیضاوی
[۵۴] مدارک سورہ والعصر اور مظہری ص ۴۲۔

Marfat.com

وتواصوا بالحق ای بالامر الثابت الذی لا یسوغ انکارہ وھوا لخیر کلہ من توحید اللہ وطاعتہ واتباع کتبہ ورسلہ[1]

الحق وہ امر ثابت ہے کہ کسی صورت میں اس کا انکار سہل نہ ہو۔ اس میں ہر قسم کی خیر و فلاح داخل ہے اللہ کی توحید اس کی اطاعت اس کے رسولوں اور کتابوں کی اتباع وغیرہ

قاضی بیضاوی نے عام مفہوم مراد لیا ہے۔

یعم الاعیان الثابتۃ والافعال الصائبۃ والاقوال الصادقۃ[2]

وہ حقائق جو مسلم ہوں وہ افعال جو درست ہوں وہ اقوال جو روح صداقت سے معمور ہوں سب اس میں داخل ہیں۔

روح المعانی میں ہے۔

الحق خلاف الباطل ویطلق علی الاقوال والعقائد والادیان والمذاھب باعتبار شمولہ علی ذلک[3]

وہ حقیقت جو باطل کے خلاف ہو۔ موقع کی مناسبت سے اقوال۔ عقائد۔ ادیان اور مذاہب سب کے لئے یہ استعمال ہوتا ہے۔

مذکورہ تصریحات سے دو باتیں معلوم ہوئیں

(۱) یہ کہ الحق کا مفہوم عام ہے۔

(۲) یہ کہ اس کی عمومیت میں تمام وہ حقیقتیں اور صداقتیں داخل ہیں جو

---

[1] تفسیر مدارک [2] بیضاوی ص ۵۳۔ [3] روح المعانی جلد اوّل ص ۱۹۱۔

Marfat.com

ایمان وعمل کے بیان میں پہلے مذکور ہو چکی ہیں خواہ ان کا تعلق اخلاقیات سے ہو یا مادیات سے ہو۔

حاصل یہ ہے کہ قیام و بقا کے لئے ایمانیات وعملیات کی جو نوعیتیں درکار ہیں اقدامی جذبہ کے ساتھ محبت بھری ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ہر شخص ان میں سرگرمی کا خود مظاہرہ کرے اور اسی طرح دوسروں سے مظاہرہ کراتا رہے۔

(۴) تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

چوتھا بنیادی اصول "تواصی بالصبر" ہے۔ "تواصی" کی تحقیق پہلے گذر چکی ہے جذبہ واسپرٹ اور ذمہ داری ونگرانی وغیرہ کی بحث بھی وہیں دیکھ لی جائے۔

صبر کی تحقیق وتفصیل ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

صبر کی تحقیق اور اس کا استعمال

صبر کی حقیقت "حبس النفس علیٰ ماتنکرہ" یعنی خود کو ناگواریوں کی برداشت کا عادی بنانا یہ ناگواریاں اختیار کرنے سے متعلق ہوں یا چھوڑنے سے متعلق ہوں۔

قرآن حکیم میں صبر کے مواقع استعمال سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) یہ کہ صبر ایک زبردست قوت کا نام ہے جس سے اصلاح وانقلاب میں مدد لی جاتی ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۲/۴۴	صبر اور نماز کی قوتوں سے مدد لو۔

Marfat.com

(۲) یہ کہ قومی و جماعتی زندگی کے مقام کا اندازہ اسی قوت سے لگایا جاتا ہے جس میں جس قدر یہ قوت زیادہ ہوگی اسی مناسبت سے اس کا مقام متعین ہوگا جیسا کہ

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضُعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔ ۸/۶۶

اگر تم میں بیس آدمی صبر کرنے والے (جھیل جانے والے) نکل آئیں تو یقین کرو وہ دو سو دشمنوں پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں ایسے آدمی سو ہوں گے تو سمجھ لو ہزار کافروں کو مغلوب کر کے رہیں گے اور یہ اس لئے ہوگا کہ کافروں کے گروہ میں سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ اب اللہ نے تم پر بوجھ ہلکا کر دیا اس نے جان لیا کہ تم میں کمزوری ہے اچھا اب اگر تم میں سو آدمی صبر کرنے والے (جھیل جانے والے) ہوں گے تو وہ دو سو دشمنوں پر غالب رہیں گے (اور اگر ہزار ہوں گے تو دو ہزار دشمنوں کو مغلوب کر کے رہیں گے اور یاد رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

آیت میں بیس کی تعداد کے ساتھ صابرین کا لفظ ہے اور سو کی تعداد کے ساتھ صابرۃ کا لفظ ہے اس سے محققین نے یہ سمجھا ہے کہ اب بھی جہاں صبر کا اعلیٰ اعلیٰ درجہ موجود ہوگا پہلا حکم ثابت و برقرار رہے گا۔

قیام و بقا کے سلسلہ میں صبر کا مقام

ذیل میں چند آیتیں و حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے قیام و بقا کے سلسلہ میں صبر کا مقام واضح ہوتا ہے۔

قرآن حکیم نے بنی اسرائیل کی کامیابی کا راز صبر میں پوشیدہ بتایا ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىٓ اِسْرَآئِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا	آپ کے پروردگار کا پسندیدہ فرمان بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوکر رہا اس وجہ سے کہ انھوں نے صبر کیا تھا۔

۱۳۷/۷

ایک جگہ پیشوائی و سرداری ملنے کا سبب صبر کو قرار دیا گیا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا	ہم نے بنی اسرائیل میں سے امام (سردار) بنائے تھے جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کو ہدایت کرتے تھے یہ منصب انھیں اس وقت ملا جب کہ انھوں نے صبر کیا۔

۳۲/۲۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام و بقاء کی جدوجہد میں اصبر کو امیر الامرا (کمانڈر انچیف) قرار دیا ہے کہ اس کی سرکردگی میں میدان فتح ہوتا ہے۔

عَلَيْكَ بِالْعِلْمِ فَاِنَّ الْعِلْمَ	علم کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو کیونکہ

Marfat.com

خلیل المؤمن والحلم وزیرہ — علم مومن کا دوست ہے۔ علم
والعقل دلیله والرفق — (بردباری) اس کا وزیر ہے عقل
اخوہ والصبر امیر جنودہ[1] — اس کی رہبر ہے نرم خوئی اس کا بھائی
. . . . — ہے اور صبر اس کے لشکر کا امیر (الامراء) ہے

حضرت علیؓ نے ایک موقع پر صبر کے نفسیاتی پہلو کو اس طرح بیان کیا ہے۔

الصبر من الایمان بمنزلة — جس طرح انسان کے بدن سے سر
الرأس من الجسد اذا — کا تعلق ہے اسی طرح جسم ایمانی سے
قطع الرأس انتن ما — صبر کا تعلق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ
فی الجسد ولا ایمان — سر کے جدا ہونے کے بعد جسم بے کار
لمن لا صبر له[2] — و بدبو دار ہو جاتا ہے۔ جس کو صبر
. . . . — نہیں اسے ایمان کا مقام نہیں حاصل ہے

حضرت امیرؓ نے تشبیہ میں "انتن" کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے صبر نہ ہونے کی صورت میں "جرائیم" کے غلبہ پانے اور پھر سماجی زندگی کے متعفن ہو جانے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

صبر کے مظاہرہ کی شکلیں | قومی و جماعتی زندگی میں صبر کے مظاہرہ کی تین شکلیں ہیں۔

(۱) مطالبات و فرائض کی ادائیگی پر صبر
(۲) مرغوبات و مفادات کے ترک پر صبر
(۳) مشکلات و مصائب پر صبر۔

---

[1] نوادر الاصول از تفسیر عزیزی۔ [2] مصنف ابن ابی شیبہ و بیہقی۔

Marfat.com

صورت یہ ہے کہ جب کوئی قوم قیام وبقا کی جد وجہد شروع کرتی ہے تو نئے تقاضے اور نئے مطالبے سامنے آتے ہیں۔ پرانی چیزیں چھوڑنی اور نئی چیزیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ میدان میں مخالفین بھی موجود ہوتے ہیں جن سے ہر موڑ پر ٹکراؤ اور ہر موقف پر مخالفت ہوتی ہے نئی نئی تکلیفوں اور مصیبتوں سے مقابلہ ہوتا ہے غرض اس طرح زندگی کا لمحہ لمحہ صبر و تحمل اور مستقل مزاجی کا طالب ہوتا ہے۔ جو قوم جس قدر اس طلب کو پورا کرتی ہے اسی قدر وہ کشمکش میں کامیابی حاصل کرتی ہے۔

مفسرین نے صبر کے مظاہرہ کی وہی شکلیں بتائی ہیں جو مذکور ہوچکیں مثلاً۔ تفسیر مدارک میں ہے۔

بالصبر عن المعاصی وعلی الطاعات وعلیٰ ما یبلوا بہ اللہ عبادہ[1]۔	معاصی سے صبر کرنا۔ طاعات پر صبر کرنا اور ان تمام آزمائشوں اور مصیبتوں پر صبر کرنا جن میں اللہ نے اپنے بندوں کو مبتلا کیا ہے۔

ابوبکر جصاصؒ کہتے ہیں۔

ینصرف الامر بالصبر علیٰ اداء الفرض التی فرضہا اللہ واجتناب معاصیا[2]	صبر کا حکم تمام ان فرائض کی ادائیگی کو شامل ہے جنھیں اللہ نے کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح تمام ان

(معاصی سے بچنے کو شامل ہے جن سے اللہ نے منع کیا ہے)

---

[1] مدارک تفسیر سورہ والعصر۔ [2] احکام القرآن ج ۱ ص ۳۶۔

Marfat.com

شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کہتے ہیں۔

"اما صبر پس سہ قسم است اوّل صبر پر مشقت طاعت دوم صبر از لذات گناہ کہ بے اختیار مرغوب طبع پیدا شد سوم صبر بر مصیبت کہ در جزع و فزع و شکایت و حرکات مخالف رضامندی خود را بزور باز دارد" [۱]

"تواصی بالصبر" میں عملی ہمدردی و امداد کے ساتھ زبانی تلقین مراد ہے

یہ واضح رہے کہ "تواصی بالصبر" میں دو باتیں مقصود ہیں (۱) خود صبر کرنا اور (۲) آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا۔

"تلقین صبر" سے صرف زبانی مراد نہیں ہے بلکہ عملی ہمدردی و امداد کے ساتھ زبانی تلقین ہونی چاہیئے۔ جیساکہ درج ذیل آیت سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ	پھر وہ گھاٹی سے نہ گزرا اے پیغمبر آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی عبور کرنے سے کیا مراد ہے؟ یہ ہے کہ کسی کی گردن کا پھندا چھڑانا ہو کے قرابت دار یتیم اور خاک آلود مسکین کو کھانا کھلانا پھر وہ ان لوگوں سے ہو جو ایمان لائے ہوں اور ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی تلقین کی ہوں۔

سورۃ ۹۰، آیات ۱۱ تا ۱۸

---

[۱] تفسیر عزیزی ص ۱۴۹۔

آیات میں پہلے باہمی امداد و غم خواری کی شکلوں کو "گھاٹی" کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس کے بعد ایمان اور صبر و رحم کی تلقین کا تذکرہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عملی ہمدردی و ایمان کے بغیر زبانی صبر و رحم کی تلقین وہ اثر نہیں پیدا کرتی جو جماعتی اسپرٹ کے لئے ضروری ہے اور قرآن حکیم کا مطلوب و مقصود ہے۔

یہاں تنظیم و تربیت کے چار بنیادی اصولوں کی بحث ختم ہو گئی۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر قرآن میں یہی ایک سورت (والعصر) ہوتی تو بندوں کی ہدایت کے لئے کافی ہوتی" اور سلفؒ کا یہ حال تھا کہ جب وہ آپس میں ملتے تو جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔

Marfat.com

زوال کے بنیادی اسباب

اور تنظیم و تربیت کے جو بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں جن اسباب کی وجہ سے ان میں کمی پائی جائے گی وہی زوال کے اسباب قرار پائیں گے۔

چند بنیادی اسباب یہ ہیں۔

(۱) شرک و نفاق (۲) بے عملی و بدعملی (۳) باطل پرستی و خود فریبی (۴) بے ثباتی و خود غرضی ان کے مفہوم میں عمومیت اس طرح پیدا کی جا سکتی ہے۔

(۱) جن اصول و نظریات پر کسی تحریک کی بنیاد ہو یا کسی قوم کی تنظیم ہوئی ہو۔ انہیں تسلیم کرنے کے باوجود شرک یا نفاق کی وجہ سے دل میں یقین و اذعان کی وہ کیفیت نہ پیدا ہو جو ایمان کا خاصہ اور نتیجہ ہے۔

(۲) اصول و نظریات کو بروئے کار لانے کے لئے جن جن صلاحیتوں اور تدبیروں کی ضرورت پڑے اور جس جس قسم کی اطاعت و قربانی کا مطالبہ کیا جائے قوم کے افراد اس کے لئے تیار نہ ہوں یا اس کے خلاف عمل کر رہے ہوں۔

(۳) حق پرستی کے بجائے باطل پرستی کی جانب مائل ہوں اور تبلیغ حق کی جگہ خود فریبی میں مبتلا ہوں۔

(۴) قوم کے افراد میں استقلال اور ضبط نفس کا فقدان ہو اور بے ثباتی و خود غرضی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی ہو۔

Marfat.com

قرآن حکیم کی روشنی میں ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے۔

شرک و نفاق

شرک و نفاق کی حقیقت

شرک کا مطلب اللہ کی ذات۔ صفات اور افعال میں کسی کو شریک کرنا ہے۔ اس کا اصل تعلق عقیدہ سے ہے نفسیاتی لحاظ سے جب عقیدہ میں تزلزل پیدا ہو جائے یا وہ کمزور پڑ جائے تو پھر زندگی کی کوئی کل نہیں درست رہ سکتی ہے۔

اجتماعیین کے نزدیک عقائد کی حیثیت ستون کی ہے اور قومی و جماعتی زندگی کو اصل خطرہ اصول و عقائد کے عدم اذعان ہی سے پیدا ہوتا ہے[1]۔ اس لحاظ سے شرک کا اثر زندگی کے تمام گوشوں میں نمایاں ہوتا ہے اور اس کے پورے نظام کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)

نفاق کی عموماً دو ہی شکلیں پائی جاتی ہیں (۱) کسی نظام زندگی کے برسر کار آنے کے بعد مخالفین کا گروہ مفاد کے حصول کی خاطر یا مضرت کے دفعیہ کی غرض سے اس کی تعلیمات کو ایک حد تک اپنا لیتا ہے لیکن دل سے نہیں مانتا ہے (۲) دل سے ماننے والوں میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن میں یقین و عمل کی وہ روح نہیں پیدا ہوتی جو کسی تعلیم کو حقیقی معنوں میں قبول کر لینے کے بعد ہونی چاہیئے اور اخلاص و صداقت کے وہ جوہر نہیں نمایاں ہوتے جو کمال ایمانی کا نتیجہ ہیں۔

---

[1] انقلاب الامم ص ۱۴۸۔

یہ حالت درج ذیل سبب سے ہوتی ہے

(۱) قدیم رسم ورواج کا غلبہ (۲) خواہشات نفسانی کی اتباع وپیروی (۳) ذاتی اغراض ومفاد (۴) لذات دنیوی کے ساتھ چسپیدگی (۵) تقلیدی جمود وغیرہ[1]۔

رسول اللہؐ کے فرمان میں یہی نفاق مراد ہے۔

اربع من کن فیہ کان	چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص
منافقا خالصا ومن کانت	میں یہ چاروں جمع ہوجائیں وہ پورا
فیہ خصلۃ منھن کانت	منافق ہے اور جس میں کوئی ایک
فیہ خصلۃ من النفاق ولو	پائی جائے تو سمجھا جائے گا کہ نفاق
صلی وصام وزعم انہ	کی ایک خصلت پیدا ہوگئی اگرچہ
مسلم[2]	وہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو
.....	اور اس گمان میں ہو کہ وہ پکا مسلمان
.....	ہے۔

وہ یہ ہیں۔

(۱) اذا حدث کذب۔	جب بات کرے تو جھوٹ بولے
(۲) واذا وعد اخلف	جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف
.....	کرے۔
(۳) واذا ئتمن خان۔	جب امانت رکھی جائے تو اس میں

---

[1] الفوز الکبیر ص ۱۰۔ [2] مسلم وغیرہ۔

Marfat.com

..... خیانت کرے۔

(۴) واذا خاصم فجر — جب لڑائی جھگڑا ہو تو بدزبانی کرے

نفاق کے بارے میں حضرت حذیفہؓ کے قول کی تشریح

حضرت حذیفہؓ کے ایک قول سے بعض حضرات کو دھوکا ہوا کہ نفاق صرف رسول اللہؐ کے زمانہ میں پایا جاتا تھا آپ کے بعد وہ ختم ہو گیا۔ حالانکہ قرآن حکیم نے نفاق کی جو تفصیلات بیان کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ نفاق کسی دور اور زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ ایسی حقیقت ہے کہ ہمیشہ پایا گیا ہے اور پایا جاتا رہے گا۔

وہ قول یہ ہے۔

انما النفاق کان علیٰ عہد	نفاق صرف رسول اللہؐ کے زمانہ
رسول اللہ فاما الیوم	میں تھا لیکن آج کفر ہے یا ایمان۔
فانما ھو الکفر او الایمان[1]۔	.....

محدثین نے یہ توجیح بیان کی ہے۔

انما النفاق ای حکمہ بعدم	اس قول میں نفاق سے اس کا حکم
التعرض لاہلہ والستر علیھم	مراد ہے رسول اللہ کے زمانہ میں چند
کان علی عہد رسول اللہ	مصلحتوں کی وجہ سے یہ حکم تھا کہ
لمصالح کانت مقتضیۃ	منافقین سے تعرض نہ کیا جائے ان کے
علیٰ ذلک الزمان اما الیوم	معاملہ میں پردہ پوشی سے کام لیا
فلم تبق تلک المصالح[2]۔	جائے لیکن آج (عہد حذیفہ) ان

---

[1] بخاری۔ [2] حاشیہ مشکوٰۃ ص۱۲۔

Marfat.com

..... مصلحتوں کے ختم ہو جانے کی وجہ سے

..... وہ حکم نہیں باقی رہا۔

صورت یہ ہے کہ انقلاب کے بعد قوم جب نئی نئی تعمیری میدان میں قدم رکھتی ہے تو اس کے لئے یہ بات نہایت اہم قرار دی جاتی ہے کہ وہ داخلی انتشار اور افراتفری میں نہ مبتلا ہو ورنہ صلاحیتیں آپس میں ایک دوسرے کی دست گریبانی میں مصروف ہو جائیں گی اور تعمیری کام رک جائیں گے نیز باہر کے لوگوں کو بدنام کرنے اور ہنسنے کا موقع ملے گا۔

ظاہر ہے کہ ابتدا میں اگر منافقین کے خلاف قانونی کارروائی کی جاتی تو ان کے گھلے ملے رہنے کی وجہ سے داخلی انتشار اور افراتفری سے بچاؤ ناممکن تھا اور دوسری طرف باہر کی دنیا کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ حکومت و اقتدار حاصل کرنے کے بعد مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ یہ کیسے خبر تھی کہ مسلم اور منافق میں فرق ہے لیکن قوم جب مضبوط ہو جائے اور اس کی تعمیری صلاحیتیں ابھر آئیں تو پھر شر پسندوں کا صفایا ضروری ہوتا ہے جیسا کہ حضرت حذیفہؓ نے آخر کے ٹکڑے میں فرمایا۔

ذیل میں قرآن حکیم کی روشنی میں شرک و نفاق کی چند اثرات اجتماعی زندگی میں بیان کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ زوال کے بارے میں یہ دونوں کس قدر دوررس نتائج کے حامل ہیں؟

شرک و نفاق سے عزم و یقین کی روح فنا ہو جاتی ہے

(۱) اصول و نظریات پر عزم و یقین کی وہ روح نہیں باقی رہتی جو انسان کو سرتاپا عمل بناتی ہے، اور رعب و

ہیبت قائم رکھتی ہے [۳/۱۴۵]

اس کی شہادت فلسفۂ تاریخ سے بھی ملتی ہے جیسا کہ "قدیم روم" کی حقیقی عظمت دو چیزوں میں بیان کی جاتی ہے ایک تو یہ کہ ان کی ضروریات زندگی محدود تھیں اور دوسری یہ کہ ان کا اعتقاد نہایت قوی تھا حتیٰ کہ ان میں کا ہر شخص جان و مال اہل و عیال غرض سب کچھ اعتقاد پر قربان کر دیتا تھا۔[۱]

نظم و مرکزیت اور اطاعت و اتحاد کا جذبہ فوت ہو جاتا ہے

(۲) زندگی میں نظم اور مرکزیت نہیں باقی رہتی اور اطاعت و اتحاد کا جذبہ فوت ہو جاتا ہے۔

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ [۲۴/۴۹]

جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تو ایک گروہ ان میں کا اعراض و روگردانی کرتا ہے۔

تاریخ کا یہ واقعہ بھی عجیب و غریب ہے کہ یونان کے حکماء نے جب اپنے سرکش حکمرانوں کا اعتقاد کم کرنا چاہا تو انھوں نے شرک کو زیادہ سے زیادہ رواج دیا اور یہ تخیل پیش کیا کہ جس طرح نظام کائنات ایک خدا کے ہاتھ میں نہیں ہے اسی طرح حکومت و بادشاہت بھی ایک کے ہاتھ میں نہ ہونی چاہیئے چنانچہ اس ترکیب کے ذریعہ یونانی بڑی آسانی سے بادشاہ کو مقام وحدانیت سے نیچے اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔[۲]

یہاں طریق استدلال کی حقیقت سے بحث نہیں غور کرنے کی بات صرف

---

[۱] انقلاب الامم ص ۱۴۷ [۲] انقلاب فرانس۔

یہ ہے کہ شرک کے رواج پانے سے مرکزیت و اطاعت وغیرہ جذبات کس آسانی سے ختم ہوئے؟

دل کا استحکام ختم ہو جاتا ہے اور زبان و دل کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے

(۳) دل کا استحکام اور اللہ پر کامل اعتماد نہیں رہ جاتا جس سے ہمت پست رہتی ہے ضبط نفس اور پامردی کی روح فنا ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ زندگی کے عناصر اقدام۔ عزم۔ شجاعت۔ ارادہ وغیرہ سب میں زوال آجاتا ہے۔

جیسا کہ قرآن حکیم نے ایمان والی زندگی کو "اَلْقَوْلُ الثَّابِتُ" سے تعبیر کیا ہے اور حقیقی ایمان سے محروم زندگی کو "مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ" سے ۱۴/۲۶

نیز ایسی حالت میں طبیعت طرح طرح کے اوہام و خیالات کا مجموعہ بن جاتی ہے

يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۳/۱۴۹ — یہ لوگ اللہ کی جناب میں عہد جاہلیت کے سے ظنون و اوہام رکھتے ہیں۔

(۴) ظاہر و باطن میں یکسانیت نہیں رہتی ہے۔ جب تک ذاتی اغراض و مفاد کا سوال نہ ہو ان کے اقوال و افعال ہر طرح سے آراستہ دکھائی دیتے ہیں لیکن جب ایثار و قربانی کا وقت آتا ہے یا کسی ادنیٰ مفاد پر بھی ضرب پڑتی ہے تو بے نقاب ہو کر سامنے آجاتے ہیں ان میں سہار و برداشت کی طاقت بالکل نہیں ہوتی ہے۔

قرآن حکیم نے اس صورت حال کی تعبیر درج ذیل آیت میں نہایت بلیغ پیرایہ میں بیان کی ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ — جب تم انھیں دیکھو تو ان کی ظاہری

Marfat.com

اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ	حالت نہایت اچھی معلوم ہو اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنتے رہو گویا کندے ہیں جو دیوار سے لگ کر کھڑے ہیں (سہارے کی طاقت بالکل نہیں ہے) ہر چیخ پکار کو اپنے ہی اوپر سمجھتے ہیں ایسے لوگ دشمن ہیں ان سے بچو۔

. . . .

۶۳ / ۴

آیت کا ہر ٹکڑا مستقل ایک حالت اور اس کے اثرات کا ترجمان ہے واقعات ومشاہدات کو سامنے رکھ کر جس قدر آپ غور کریں گے حقیقت کھلتی جائے گی۔

مقصد سامنے واضح شکل میں نہیں رہتا ہے

(۵) مقصد واضح شکل میں سامنے نہیں رہتا ہے جس کی بنا پر جد وجہد کی رفتار سست پڑ جاتی ہے اور تن پروری وعیش پرستی کی ذہنیت نمودار ہو جاتی ہے ۔

آج دنیا کے سامنے ذاتی اغراض ومفاد مقصد کی حیثیت رکھتے ہیں اس میں شک نہیں کہ دنیا کی قومیں اس کے لئے پوری جد وجہد کرتی ہیں جب وہ قانون قدرت کے مطابق کامیابی حاصل کرتی ہیں۔

لیکن رسول اللہؐ نے اللہ کی رضا وخوشنودی کو مقصد کو ٹھہرایا تھا چنانچہ صحابہ کرامؓ کی ساری جد وجہد اللہ کے نام پر اسی مقصد کے حصول کے لئے ہوتی تھی جس طرح ان کا مقصد بلند تھا۔ ایثار و ترباالی کا جذبہ بھی ان میں زیادہ تھا اسی بنا پر غیر معمولی کامیابی ان کا قدم چومنے پر مجبور تھی۔

Marfat.com

یورپ کا فاتح اعظم نپولین مسلمانوں کی کامیابی پر ہمیشہ حیران رہا اور کہا کرتا تھا کہ "محمدؐ نے عربوں کو از سر نو پیدا کیا تھا ان کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن دے کر فرمایا تھا کہ جاؤ دنیا فتح کرو حکومت کرو اور فائدہ اٹھاؤ۔

افسوس کہ مسلمانوں کے پاس اب نہ قرآن باقی رہا اور نہ تلوار رہ گئی قرآن کی جگہ چند گھڑے ہوئے عقیدوں اور وہم و خیال کی باتوں نے لے لیں۔

اَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا اَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ ۵۳/۲۳ اور اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۲/۷۸۔ اور تلوار کی جگہ بے روح دعاؤں نے قبضہ کر لیا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر قیام و بقا کی جد وجہد کے لئے صرف دعائیں کافی ہوتیں اور چند رسم و رواج کی پابندی اور نام کی مسلمانی سے کام چل جاتا تو صحابہ کرام اور اسلاف امت کو تن من دھن قربان کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی اور نہ ہی قرآن حکیم میں جد وجہد سے متعلق درج ذیل قسم کی آیتیں مذکور ہوتیں۔

(۱) وَاَنْ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۔ ۵۳/۳۸	انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے جد وجہد کی ہے۔
(۲) وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ۹/۱۰۵	اے پیغمبر آپ کہدیجئے تم عمل کئے جاؤ اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل دیکھے گا۔
(۳) وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَاءَ	انسان کی جد وجہد یقیناً دیکھی جائے گی اور اس کو پورا پورا

Marfat.com

الاونی ۵۳/۴۴ بدلہ دیا جائے گا۔

محنت و مشقت کے کام نہیں ہو پاتے ہیں اور باتیں بنا کر مطلب برابری کی جاتی ہے

(۶) محنت اور مشقت کے کام نہیں ہو پاتے ہیں عافیت کوشی، مصلحت پسندی، سخن پروری اور حیلہ سازی وغیرہ جیسے جراثیم زندگی میں نمودار ہو جاتے ہیں ۹/۴۴

مذہبی طبقہ ان "جراثیم" کا خصوصیت سے شکار رہوتا ہے کیونکہ اس کا مذہب ایسی حالت میں افادیت وصلاحیت کے جوہر کھو دیتا ہے اور دنیا طلبی وہوس رانی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ قدیم یورپ میں بہت سے لوگ محض اس بنا پر راہبوں میں شامل ہوتے تھے کہ محنت مزدوری کے بغیر وہاں مفت کی روٹی ملتی تھی اور گرجا کے خادم بہت سے ایسے تھے جو مخصوص ملکی ذمہ داریوں اور کام سے بچنے کی غرض سے انھوں نے یہ طریق زندگی اختیار کر لیا تھا۔[۱]

ذاتی مفاد واغراض کی غلامی ہوتی ہے

(۷) ذاتی اغراض[ع] و مفاد کی بندگی ہوتی ہے اپنے معمولی مفاد کے لئے قوم کے پہاڑ جیسے نقصان کی پروا نہیں ہوتی ہے۔ جب کوئی قومی وجماعتی فلاح وبہبود کے کام کرنے کا وقت آتا ہے تو طرح طرح کے شبہات اور طرح طرح کے اندیشے ظاہر کئے جاتے ہیں جن سے

ع جب قوم کے دل میں خودغرضی اپنا قدم جما لیتی ہے تو رفتہ رفتہ اس کے تمام محامل ختم ہو جاتے ہیں۔ "روسو" نے مذکورہ حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"اپنی ذات سے محبت اور اپنی فکر بری چیز نہیں ہے مگر جب دوسروں کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ کرنے کا جذبہ دلوں میں جاگزیں ہو جائے تو پھر سماج کی تباہی ناگزیر ہے (معاہدۂ عمرانی ص۲۷)

[۱] تاریخ اخلاق یورپ ص ۱۰۱۔

Marfat.com

عوام سہم جاتے ہیں اور کام میں رکاوٹ ہو جاتی ہے۔

نہ قومی مصیبت کسی کے لئے مصیبت رہ جاتی ہے اور نہ قومی خوشی کسی کے لئے خوشی بس ہر ایک اپنا ہی مفاد سوچتا ہے اور اپنی ہی خوشی کو خوشی جانتا ہے۔
۹

---

۴۴ تا ۵۰

(۸) قومی وجماعتی شعار کی ادائیگی ایسی بے دلی اور بدذوقی کے ساتھ کی جاتی ہے کہ گویا کوئی بوجھ سر پر آپڑا ہے کہ جلدی ٹیک کر اس سے چھٹکارا ملے اس میں نہ جذب وانجذاب کی کیفیت ہوتی ہے اور نہ ہی دلجمعی واطمینان کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ ۴/۱۴۲

> کچھ لوگ الگ تھلگ رہ کر حالات کی رفتار دیکھتے ہیں اور بعض لوگ مخالفین سے دوستی رکھتے ہیں

(۹) کچھ لوگ الگ تھلگ رہ کر حالات وواقعات کی رفتار کا جائزہ لیتے ہیں جس جماعت کا جب پلہ بھاری دیکھا بس اسی کے ساتھ شریک ہو گئے اور باتیں بنا کر گذشتہ سے عذر و معذرت کر دی ۴/۱۴۲

اور بعض لوگ مخالفین سے ساز باز رکھتے ہیں ادھر کی باتیں ادھر لگاتے ہیں جب کوئی بات کھل جاتی ہے تو قسمیں کھا کر یقین دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ۴/۱۴۲ ۹/۵۶ ۔

اسی میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ مغلوب قوم کے افراد غالب قوم سے مل جاتے ہیں پھر انھیں عہدہ دے کر یا انعام واکرام کی بارش کر کے ان کے ذریعہ پوری قوم کے دبانے کا کام لیا جاتا ہے۔ فرعون بدنام ہے کہ اس کے ملأ (پارلیمنٹ کے ممبروں) نے موسیٰ کے تحفظ حقوق کی آواز کو فتنہ وفساد سے تعبیر

کیا تھا جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے ۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ — فرعون کی قوم کے سربرآوردہ لوگوں
أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ — نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور اس کی
لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ ... — قوم کو ایسی حالت میں چھوڑ دیں گے
.... $\frac{۷}{۱۲۷}$ — کہ وہ ملک میں بدامنی پھیلائیں ۔

لیکن آج دنیا کی حکومتوں میں یہ طریق کار بہت عام ہے اس میں پیش پیش وہ افراد دکھائی دیتے ہیں جو اقلیتوں کے نمائندہ ہوتے ہیں کیونکہ انھیں دوسروں کے مقابلہ میں اظہار وفاداری کی زیادہ ضرورت رہتی ہے ۔

مذہب کی نمائش دنیا کے لئے ہوتی ہے اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے دنیا حاصل کیجاتی ہے

(۱۰) اخلاص و صداقت کی روح نکل جاتی ہے پھر جائز و ناجائز درست و نادرست جس طرح بھی مال ملے اس کے حصول کی کوشش ہوتی ہے $\frac{۹}{۵۸}$

(۱۱) ایمان و یقین کی دولت سے محرومی کی وجہ سے قوت ارادی مفقود ہو جاتی ہے۔ عزم و ہمت کے کام کے وقت ایسی روش اختیار کی جاتی ہے جس سے انتہائی بزدلی اور کمینہ پن کا ثبوت ملتا ہے۔ $\frac{۹}{۵۷}$

(۱۲) اتباع دین کی روح مفقود ہو جاتی ہے دینداری کی نمائش محض اس لئے ہوتی ہے کہ اسے دنیا کے حصول کے لئے آلۂ کار بنایا جائے ۔ اس نمائش میں فروعی اور معمولی باتوں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور بنیادی و اصولی احکام کی طرف کوئی توجہ نہیں رہتی ہے ۔ $\frac{۲}{۸}$

(۱۳) فرقہ بندی و گروہ بندی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے ۔ حق پرستی کی جگہ

Marfat.com

گروہ پرستی آجاتی ہے اچھائی و برائی کے جانچنے کے لئے اعتقاد و عمل کو معیار نہیں ٹھہرایا جاتا ہے بلکہ یہ کہ وہ ہمارے گروہ میں داخل ہے یا نہیں اگر وہ داخل ہے خواہ اس کے اعمال کتنے ہی برے ہوں اور اگر نہیں داخل ہے تو وہ برا ہے خواہ اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ ۲/۱۱۵

(۱۴) تعمیری کاموں کی طرف توجہ نہیں رہتی ہے بس ہر گروہ دوسرے گروہ کی تحقیر و تذلیل کو دین و ایمان کی سب سے بڑی خدمت سمجھنے لگتا ہے۔ ۲/۱۰۸

(۱۵) کذب گوئی و وعدہ خلافی سے کام نکالنے کو ہنر سمجھا جاتا ہے ان کی برائی کی اہمیت دل سے نکل جاتی ہے۔ ۹/۷۷

(۱۶) قومی و جماعتی خدمت کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے اگر کچھ لوگ خلوص و للّٰہیت کے ساتھ اس فریضہ کو انجام بھی دیتے ہیں تو انھیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے مثلاً مالدار لوگ خرچ کرتے ہیں تو اسے ریا و نمود اور شہرت کا نام دیا جاتا ہے اور غریب لوگ خرچ کرتے ہیں تو ان کا مذاق اڑتا ہے۔ ۹/۷۹

قوت استنباط اور جدت طبع وغیرہ ختم ہو کر تقلیدی جمود پیدا ہو جاتا ہے

(۱۷) مذہب کے نام پر ایسی ایسی باتیں نکلتی ہیں جو باہمی تفرقہ اور انتشار کا باعث بنتی ہیں۔ ۹/۱۰۷

(۱۸) غلط قسم کا تقلیدی جمود پیدا ہو جاتا ہے اور خوش فہمی میں مبتلا ہو کر اسے حق پر ثابت قدمی کا نام دیا جاتا ہے حالانکہ تقلیدی جمود اور ثابت قدمی میں بڑا فرق ہے اول الذکر احساس و شعور کے موت کی سب سے بڑی علامت ہے اور آخر الذکر زندگی کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ ۲/۸۳

Marfat.com

(۱۹) حقائق کی طرف سے نظر پھر جاتی ہے جادو ٹونے ٹوٹکے اور دوسری بہت سی وہمی و خیالی باتوں پر نظر جم جاتی ہے۔ ۲/۹۶

(۲۰) اہل دین حق فروش بن جاتے ہیں اپنی رایوں اور خواہشوں کو اللہ کے احکام پر ترجیح دیتے ہیں اور اپنی گھڑی ہوئی باتوں کو کتاب اللہ کی طرح واجب العمل بتاتے ہیں۔ ۲/۴۲

(۲۱) زندگی کی کشاکش سے نبرد آزمائی اور مصائب و مشکلات کے جھیلنے کی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی بے ایمانی اور بے اعتقادی کی باتوں اور حرکتوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ۳۳/۱۲

> عمل کی جگہ تمنائیں اور آرزوئیں لے لیتی ہیں اور دل کی روحانیت ختم ہو کر شیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے

(۲۲) ہوا و ہوس کا غلبہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ حق و صداقت کے قبولیت کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ ۴۷/۱۶

(۲۳) اللہ پر نظر نہیں رہتی ہے بلکہ دوسری چیزوں کو مؤثر بالذات سمجھنے کا رواج عام ہو جاتا ہے اسی بنا پر خوف اور بزدلی پیدا ہو جاتی ہے اور کسی مہم میں شرکت کی جرأت و ہمت نہیں باقی رہتی ہے ۴۷/۲۶ ۴۸/۱۱ -

(۲۴) اللہ سے زیادہ انسانوں کا خوف مسلط ہو جاتا ہے۔ ۵۹/۱۳

(۲۵) سچائی کے پرستاروں کو ذلیل سمجھا جاتا ہے اور حتی الامکان ان سے دور رہنے کی کوشش ہوتی ہے ۶۳/۵

(۲۶) جن کو صداقت کی بات قبول کرنے میں عار محسوس ہوتا ہے اور داعیوں کے ساتھ تکبر و سرکشی کا برتاؤ ہوتا ہے۔ ۱۲/۵

Marfat.com

(۲۷) بات کرکے پھر جانا جھوٹی قسموں کے ذریعہ مطلب براری کرنا وغیرہ لوگوں کا شیوہ بن جاتا ہے ۶۳/۲

(۲۸) آپس میں ایک دوسرے کے قلوب مختلف ہوتے ہیں اگر کہیں اتحاد نظر بھی آتا ہے تو وہ ظاہری طور پر کام نکالنے کے لئے ہوتا ہے فائدہ اور غرض کے وقت اپنے پرائے دوست کی پرواہ نہیں رہ جاتی ہے وغیرہ۔ ۴۹/۱۴

(۲۹) ایثار و قربانی کے بغیر جہاں مالی منفعت کی امید ہوتی ہے وہاں لوگ سب سے آگے نظر آتے ہیں اور اگر کوئی کچھ کہتا بھی ہے تو اسے حاسد وغیرہ کے نام سے مطعون کرتے ہیں۔ ۳۸/۱۵

(۳۰) لوگ تمناؤں اور آرزوؤں میں پھنس کر عزیمت و ہمت کے کاموں سے جان چراتے ہیں۔ ۵۷/۸

غرض دل کی روحانیت ختم ہو کر جماعتی مزاج پر شیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے اور ہوا و ہوس کی حکمرانی چلتی ہے ۵۵/۱۸

بے عملی و بد عملی

زوال کا دوسرا بنیادی سبب بے عملی اور بد عملی ہے۔

اس کی دو صورتیں ہیں (۱) سیرت کی تشکیل اور تنظیم سے متعلق جو اخلاقی ہدایتیں ہیں ان سے بے توجہی کی جائے یا ان کے خلاف عمل کیا جائے۔

(۲) حالات زمانہ کے تقاضا کی مناسبت سے قیام و بقاء کے لئے جس قسم کی مادی جد و جہد درکار ہے اس سے غفلت برتی جائے۔ قرآن حکیم نے

Marfat.com

بے عملی اور بدعملی کے مختلف مظاہر بیان کئے ہیں سیرت کی تشکیل و تنظیم سے متعلق چند یہ ہیں۔

معاصی کے ارتکاب میں آزادی دبے باکی ہو جاتی ہے

(۱) اخلاقی سطح نہایت پست ہو جاتی ہے۔ کردار کا کوئی معیار نہیں باقی رہتا ہے اور معاصی کے ارتکاب میں بے باکی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ معاصی کا احساس بھی دل سے نکل جاتا ہے قرآن حکیم میں ہے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۲۱/۱۱

اور کتنی ہی بستیاں ظلم و شرارت میں غرق تھیں ہم نے پامال کر ڈالیں اور ان کے بعد دوسرے گروہوں کو لا کھڑا کیا۔

آیت میں "ظالمۃً" کا لفظ ہے اور ظلم کے معنی "وضع الشئ فی غیر محلہ" ہیں (جس چیز کا جو محل ہو اس کا وہاں نہ ہونا) ایک موقع پر شرک کو "ظلم عظیم" کہا گیا۔ "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" ۳۱/۱۳ کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی بے محل بات نہیں ہو سکتی ہے۔ اسی طرح تمام برائیوں اور بداخلاقیوں کا ارتکاب انسان کا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے "فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ" ۳۵/۳۲ کیونکہ قرآن حکیم نے انسان کی عظمت و بلندی کا جو موقف مقرر کیا ہے وہ سب اس کے خلاف ہیں اور اس لحاظ سے سب "وضع الشئ فی غیر محلہ" میں داخل ہیں۔

انسانیت حیوانیت کی سرحد میں داخل ہو جاتی ہے

(۲) دوسری آیت میں اخلاقی پستی و بے حسی کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

Marfat.com

اِنَّ اَشَرَّ الدَّوَآبِّ	بے شک اللہ کے نزدیک سب سے
عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ	بدتر حیوان وہ انسان ہیں جو بہرے
الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۲۲	گونگے ہیں اور سمجھتے نہیں ہیں۔

انسان کی عظمت و بلندی کا اصل راز اس کے اخلاق و کردار میں مضمر ہے۔ کسی زندگی میں جب یہ نہ باقی رہ جائیں تو اس کی حیثیت جانوروں سے بدتر ہو جاتی ہے۔ نیز اخلاق و کردار میں تسخیری و تنظیمی صلاحیت کے جوہر موجود ہیں جن سے، ظاہری و باطنی دشمن سے مقابلہ کے وقت کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرن اوّل میں رومیوں کا جب مسلمانوں سے مقابلہ ہو رہا تھا اور رومی دمشق و حمص کے میدان میں پے در پے شکستیں کھا رہے تھے تو قیصرِ روم نے اپنے چند فوجی سرداروں کو بلا کر پوچھا کہ "عرب کے فتوحات کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ تم تعداد و قوت و طاقت اور سامانِ جنگ میں ان سے کہیں زیادہ بڑھے ہوئے ہو۔

اس پر ایک بوڑھے اور تجربہ کار افسر نے جواب دیا کہ

"عرب کے پاس اخلاق کی طاقت ہے اور یہ ہمارے پاس نہیں ہے وہ رات کو عبادت کرتے ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں کرتے ہیں۔ اپنے پرائے سب کے ساتھ برابری کا معاملہ کرتے ہیں۔

اور ہم شراب پیتے ہیں۔ بدکاری کرتے ہیں وعدہ خلافی کرتے ہیں اور اللہ کی مخلوق پر ظلم کرتے ہیں"

قوم پر یاس و قنوطیت کی حالت طاری ہوتی ہے اور ذلت انگیز امن پر قناعت کر لیتی ہے

(۳) ترقی کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔ یاس و قنوطیت کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

بلند پروازی اور اولوالعزمی کے سرچشمے خشک ہو جاتے ہیں پھر عارضی اور معمولی فائدوں کو مقصد حیات سمجھ کر اسی کی جد وجہد میں ساری زندگی گذر جاتی ہے۔

قرآن حکیم نے مختلف قوموں اور پیغمبروں کے تذکرہ میں عمل اور ردّ عمل کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے مذکورۂ بالا حقائق پر روشنی پڑتی ہے۔

نیز قوم بنی اسرائیل کو جب موسیٰ علیہ السّلام نے زندگی کی تعمیر اور صلاحیتوں کی تنظیم کا حکم دیا تو نہ صرف یہ کہ انھوں نے اس سے پہلوتہی کی بلکہ فرعونی حکومت ہی کو ترجیح دینے لگے اور موسیٰ علیہ السّلام سے یہ شکایت کی کہ تمھاری اس کوشش نے فرعونیوں کو اور زیادہ مخالف بنا دیا ہے نیز جو کچھ ہمیں سہولتیں حاصل تھیں وہ بھی ختم ہو گئی ہیں۔

(ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ از آیت ۵۵ تا ۵۹ اور مائدہ از ۲۳ تا ۲۸)

یہ ذلت انگیزی پر قناعت اور جد وجہد سے گریز سب ان کی بے عملی و بدعملی کے اثرات و ثمرات تھے جس کی بنا پر جوہر انسانیت پامال ہو گئے تھے۔ ان کے سینے میں نہ سچا دل باقی رہ گیا تھا اور نہ دل میں زندگی پیدا کرنے والی آرزوئیں رہ گئی تھیں۔

یورپ میں نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا ابتدا میں جو ردعمل ہوا اسی طرح ہر زوال پذیر قوم میں انقلابی تحریکوں کا جو ردعمل ہوتا ہے وہ سب مذکورہ بالا حقائق کی شہادت میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔

(۴) قوم طبقاتی کشمکش میں مبتلا رہو جاتی ہے۔ عیش پرستی کی ذہنیت ہر خاص و عام پر مسلط ہو جاتی ہے۔ مفت خوروں کا ایک طبقہ پیدا ہو جاتا ہے۔

جو قوم پر بار بنتا ہے اور حرکت و عمل کے بغیر عیش و عشرت کی زندگی گذارنے کا خواہشمند رہتا ہے۔

ایسی حالت میں ہمدردی۔ غم خواری۔ ایثار و قربانی وغیرہ کے جذبات افسردہ ہو جاتے ہیں اور خود غرضی۔ خود فریبی۔ خوش فہمی وغیرہ کے جذبات ابھر آتے ہیں اور ہر فرد دوسرے سے خوفزدہ رہتا ہے۔

تاریخ کا یہ المیہ بھی عجیب و غریب ہے کہ طبقاتی کشمکش کے وقت امراء اور قومی نمائندوں کا ہمیشہ اتحاد رہا ہے اور انسانیت کی تذلیل میں دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹایا ہے

چنانچہ قرآن حکیم نے سرمایہ داری کا کردار قانون کے ذیل میں بیان کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جب یہ انفرادی زندگی میں ابھرتی ہے تو کس قدر زندگی اور خدا فراموشی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ اسی طرح قومی نمائندوں کا ذکر مندرجہ ذیل قسم کی آیات میں ہے جس سے ان کی حق کے معاملہ میں سرکشی اور ناحق مال خوری کا اندازہ ہوتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ	اے مومنو۔ یہودیوں اور
کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ	عیسائیوں کے علماء و مشائخ میں
وَالرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ	ایک بڑی تعداد ایسوں کی ہے
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ	جو لوگوں کا مال ناحق کھاتے
وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	ہیں اور اللہ کی راہ سے انھیں
۹/۲۲	روکتے ہیں۔

Marfat.com

نزولِ قرآن کے وقت یہود و عیسائی چونکہ زوال پذیر قوم تھے اس لئے ترجمہ میں انھیں کے علمار و مشائخ مراد لئے گئے ہیں یہی حالت زوال کے وقت ہر قوم کے اکثر علمار و مشائخ کی ہوتی ہے۔

توکل اور تقدیر کے غلط مفہوم رواج پاجاتے ہیں اور قوائے عقلی مفلوج ہوجاتے ہیں

(۵) توکل اور تقدیرؑ کا غلط مفہوم عام ہوجاتا ہے جس کی بنا پر قوائے عملی مفلوج ہوجاتے ہیں۔ ناعاقبت اندیشی، غیر مستعدی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اور بلا جد و جہد یہ خیال پیدا ہوجاتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں تھا وہ ہوا اور آیندہ بھی وہی ہوگا جو تقدیر میں ہوگا۔ گویا تقدیر کی حیثیت ان کے لئے آہنی زرہ کی ہے جو انھیں

ع تقدیر اللہ کے علم اور اندازہ کا نام ہے کہ کوئی شئے اس کے علم اور اندازہ سے باہر نہیں ہے۔ اسی طرح توکل کامل جد و جہد کے ساتھ اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کو کہتے ہیں۔

ان دونوں کی صحیح حقیقت نہ تو انسان کو بے عمل بناتی ہے اور نہ ہی سستی و کاہلی پیدا کرتی ہے بلکہ ایک خاص قسم کا زاویۂ نگاہ دے کر انسان کو میدان کارزار میں سرگرم عمل رکھتی ہے نیز زندگی کے بہت سے فتنے ان دونوں کے ذریعہ دفع ہوتے رہتے ہیں مثلاً کامیابی و کامرانی کی صورت میں غرور نہیں پیدا ہوتا ہے جو ترقی کے لئے بڑی رکاوٹ ہے اور ناکامی کی صورت میں مایوسی نہیں ہوتی۔ ہے جو انسان کے لئے پیام موت ہے اسی طرح نفس پر اعتماد کرنے سے جتنے مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان سب کا مکمل انسداد ہوجاتا ہے اور بزدلی و کم ہمتی وغیرہ جرائیم سے حفاظت رہتی ہے جن بعض اجتمائیین نے ان دونوں پر اعتراض کیا ہے وہ ان کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہیں ان لوگوں نے غلط مفہوم کو مروج دیکھ کر اصل سمجھ لیا ہے اور اسی پر اعتراض کی عمارت قائم کردی ہے۔

پہنادی گئی ہے وہ دن بدن بھچتے جاتے ہیں اور زرہ قبضہ کرتی جاتی ہے۔

اس صورت حال کا اثر زندگی میں یہ نمایاں ہوتا ہے کہ اپنی ذات اور مزعومہ مذہب کے علاوہ دوسری تمام چیزوں سے کنارہ کشی میں انھیں عافیت معلوم ہوتی ہے نیز قدامت پرستی و تقلیدی جمود ان میں سرایت کر جاتا ہے جیسا کہ اسکی تائید قوموں کے درج ذیل جوابات سے ہوتی ہے۔

حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ — ہمیں وہی کافی ہے جس پر اپنے
آبَاءَنَا ۵/۱۰۴ — باپ دادا کو پایا۔
إِنَّا وَجَدْنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ — ہم نے باپ دادا کو اسی عقیدہ اور
وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم — طریقے پر پایا ہے اور ہم انھیں کے
مُّقْتَدُونَ ۴۳/۲۳ — نقش قدم پہ چلیں گے۔

نیز زندگی کی کشمکش سے گریز کرتے کرتے مذہب چند مراسم و رواج کا مجموعہ رہ جاتا ہے اس کے باوجود خوش فہمی و خود فریبی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اللہ کا محبوب اور جنت کا تنہا مستحق وہ اپنے ہی کو سمجھتے ہیں اور بلا جہد و عمل اپنی تعریف کے خواہش مند رہتے ہیں۔

یہودیوں کے باب میں قرآن حکیم نے ان کے یہ مقولے نقل کئے ہیں۔

نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ — ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے
.... ۵/۲۲ — پیارے ہیں۔
لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا — دوزخ کی آگ اگر ہمیں چھوئی بھی
مَّعْدُودَةً ۲/۷۵ — تو چند دن کے لئے۔

Marfat.com

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۳/۱۸۵

جو لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کاموں کے لئے سراہے جائیں جو انھوں نے نہیں کئے ہیں اے پیغمبر آپ انھیں عذاب سے چھٹکارا پانے والا نہ سمجھئے۔

دل کی سختی سے عبرت پذیری کی استعداد ختم ہو جاتی ہے

(۶) دل سخت اور بے جان ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے عبرت پذیری اور تنبہ کی استعداد معدوم ہو جاتی ہے اور انسان اپنی تباہ شدہ حالت پر قانع اور مطمئن بن جاتا ہے پھر اس کے بعد ترقی کی امنگوں اور جاندار تمناؤں وغیرہ کا سوال ہی نہیں باقی رہتا ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۲/۷۴

(بد عملیوں اور شقاوتوں کی وجہ سے) تمہارے دل سخت ہو گئے ہیں ایسے سخت گویا پتھر کی چٹانیں ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت۔

قرآن حکیم کی روشنی میں قساوت قلبی کے اثرات درج ذیل ہیں۔

(ا) حق و صداقت کی وضاحت کے بعد بھی لوگ قبول کرنے کے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ ۲/۸۷

(ب) مصلحین پر طرح طرح کے اتہام لگا کر انھیں ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ۳/۶۸ ۶۱/۵

(ج) ایک دوسرے کے مذہب کی تکذیب و تنقیص کرتے ہیں جو اختلا

Marfat.com

ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر ہوتا ہے اس کو وہ عین دین سمجھتے ہیں۔ ۲/۲۱۰

(د) احساس کمتری میں مبتلا رہتے ہیں مقابل کی طاقت دل و دماغ پر مستولی ہو جاتی ہے کہ اس کے تصور ہی سے لرزہ براندام ہوتے ہیں ۵/۲۶

(س) قلت و کثرت کی بحث چھڑ جاتی ہے حالانکہ کامیابی و ناکامی کا مدار قلت و کثرت پر نہیں ہے بلکہ ذاتی جوہر و صلاحیت پر ہے۔ ۲/۲۵۱

(ص) دن بدن برائی سے روکنے والے کم ہوتے جاتے ہیں اور دین فروشوں کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔ ۶/۱۶۹

مال و دولت اور زندگی کی محبت کی وجہ سے جدوجہد کی طاقتیں چھن جاتی ہیں	(۷) مال و دولت اور زندگی سے محبت بڑھ جاتی ہے جس کے حسب ذیل اثرات زندگی میں نمودار ہوتے ہیں۔

(ا) عزم و ہمت اور ایثار و قربانی کے کام نہیں ہو پاتے ہیں۔

(ب) قومی و جماعتی مفاد نظروں سے اوجھل ہو کر صرف ذاتی اغراض و مفاد پیش نظر ہوتے ہیں۔

(ج) فوجی طاقت چھن جاتی ہے اور سامان حرب کی جگہ سامان تعیش لے لیتے ہیں۔

(د) خوشامد و چاپلوسی کے جذبات نجیبۂ زندگی میں سرایت کر جاتے ہیں۔

(س) حقوق کے تحفظ قیام و بقا کی جدوجہد قومی عزت و ناموس کے جذبات دل سے نکل جاتے ہیں۔

چند آئتیں یہ ہیں۔

Marfat.com

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۲/۹۱

زندگی کی سب سے زیادہ حرص رکھنے والے یہی لوگ ہیں مشرکوں سے بھی زیادہ۔ ان میں سے ہر آدمی کا دل یہ حسرت رکھتا ہے کہ کاش ایک ہزار برس تک توجئے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۳/۶۹

ان میں ایک گروہ ایسا ہے کہ اگر ایک دینار کے لئے بھی ان پر بھروسہ کرو تو کبھی تمھیں واپس نہ دیں جب تک کہ ہمیشہ ان کے سر پر کھڑے نہ رہو۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۵/۶۸

ان میں سے بہتوں کو آپ دیکھیں گے کہ گناہ و ظلم کے ارتکاب اور مال حرام کھانے میں بہت تیز ہیں کس قدر برے کام ہیں جو یہ شب و روز کر رہے ہیں۔

مذکورہ بعض اثرات کا ثبوت اس حدیث سے بھی ہوتا ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ دنیا کی قومیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں گی جس طرح بھوکے آدمی کھانے کی رکابی پر ٹوٹ پڑتے ہیں"

Marfat.com

صحابہؓ نے سوال کیا کہ کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ فرمایا نہیں بلکہ بہت ہوگی لیکن تمہاری حالت ایسی ہو جائے گی جیسے پانی کی سطح پر گھاس پھوس ہوتا ہے "غثاء کغثاء السیل" (تمہاری ہیبت دشمنوں کے دل سے نکل جائے گی اور تم کسی شمار و قطار میں نہ رہ جاؤ گے)

صحابہؓ نے پھر سوال کیا کہ یہ حالت کیونکر ہو جائے گی؟ فرمایا تمہارے اندر "وھن" پیدا ہو جائے گا "وھن" کا مطلب دنیا (مال و دولت وغیرہ) سے محبت اور موت سے کراہیت ہے "حب الدنیا وکراھیۃ الموت"[1]

علماء میں بھی مال و دولت اور زندگی سے محبت بڑھ جاتی ہے

(۸) مال و دولت اور زندگی سے محبت کی وبا عوام ہی تک محدود نہیں رہتی ہے بلکہ اکثر علماء بھی اس میں ملوث ہوتے ہیں اور وہ اس سلسلہ میں احکام الٰہیہ کی تحریف سے بھی دریغ نہیں کرتے ہیں نیز آسان اور اپنی ضرورت کے مطابق احکام قبول کر لیتے ہیں اور جن میں محنت و مشقت پڑتی ہے انھیں چھوڑ دیتے ہیں، عافیت سمجھتے ہیں۔

علماء کے بارے میں قرآن حکیم کی تصریحات یہ ہیں۔

(۱) يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۵/۴۱ — وہ کلموں کو اپنی مناسب جگہ سے ہٹا دیتے ہیں۔

(۲) فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ — پھٹکار ہے ان پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں

---

[1] ابوداؤد و بیہقی فی دلائل النبوۃ از مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۶۲

يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ — یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے
لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۲/۷۹ — دنیا کا معمولی فائدہ اٹھائیں۔
(۳) نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ — جنھیں اللہ کی کتاب دی گئی ہے
اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ — ان میں سے ہر ایک فریق نے اس کو
وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ ۲/۹۶ — پس پشت ڈال دیا ہے۔
(۴) أَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ — کیا ایسا نہیں ہوا کہ جب کوئی
رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى — رسول تمھارے پاس وہ حکم لے کر
أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۔۔۔ — آیا جو تمھاری نفسانی خواہش کے
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲/۸۷ — موافق نہ ہوا تو تم نے غرور کیا۔

بے عملی اور بدعملی کی دوسری صورت کہ حالات و زمانہ کے تقاضا کی مناسبت سے جس قسم کی جد و جہد درکار ہے اس سے غفلت برتی جائے۔ اس کے اثرات حسب ذیل طریقہ پر زندگی میں نمایاں ہوتے ہیں۔

ذہنیت پر پردہ پڑ جاتا ہے اور کھلی ہوئی ترقی کی راہیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں

(۱) ذہنیتوں پر پردہ پڑ جاتے ہیں کھلی ہوئی ترقی کی راہوں کو دیکھنے کے باوجود انھیں اپنانے کی ہمت نہیں ہوتی ہے۔ شیطان ان کے اعمال کو ان کی نظروں کے سامنے اس طرح خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے (زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ) کہ جو کچھ اُن کے پاس چند پرانی راہ و رسم کا مجموعہ رہتا ہے بس اسی میں وہ مگن رہتے ہیں۔

قرآن حکیم نے مختلف قوموں کے تذکرہ میں رسولوں کی تکذیب و تنقیص

Marfat.com

اور ان کی اصلاحی وانقلابی تحریک کی مخالفت کا جو ذکر کیا ہے وہ دراصل انھیں اثرات کا نتیجہ تھا جیسا کہ ان کے تفصیلی حالات وواقعات سے ظاہر ہے۔

(۲) لوگ علم وحکمت کی تحصیل سے گریز کرتے ہیں کیونکہ جس دنیا میں وہ رہتے ہیں وہاں علم وحکمت کا گذر ہی نہیں ہوتا ہے۔ ان کا قلب ہی نہیں بے کار ہوتا بلکہ ذہن وادراک کی ساری قوتیں بھی بے کار ہو جاتی ہیں اور وہ جانوروں سے بھی بدتر بن جاتے ہیں۔

اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ	یہ لوگ جانور بلکہ ان سے بھی زیادہ
بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۷/۱۷۹	کھوئے ہوئے ہیں۔

مذہب کے غلط تخیل کی وجہ سے دین اور دنیا کی تقسیم ہو جاتی ہے

(۳) مذہب کے غلط تخیل کی وجہ سے دین اور دنیا کی تقسیم ہو جاتی ہے دیندار اور دنیادار دو الگ الگ طبقہ بن جاتے ہیں اور یہ خیال عام ہو جاتا ہے کہ دنیا کے ساتھ دین پر عمل کرنا ناممکن ہے (حالانکہ دین ہمیشہ دنیا کے لئے آیا ہے آخرت میں جو کچھ ہوگا وہ اسی دنیا کے اثرات ونتائج ہوں گے)

اس تقسیم کے بعد مذہبی طبقہ کی اکثریت سامنے کوئی میدان نہ رہ جانے کی وجہ سے آپس ہی میں دست وگریباں رہتی ہے اور اس کے جدوجہد کی ساری دوڑ چند فروعی اور فرسودہ مسائل (جن کا زندگی کے حقائق سے کوئی تعلق نہیں رہتا) کی موشگافیوں میں سمٹ کر آجاتی ہے۔

چنانچہ مسلمان اپنے دور اول میں جب عدل ورحمت کا نظام قائم کرنے کے لئے بعض عیسائی ممالک میں گئے تو وہاں کے پادریوں کو ان مباحث

Marfat.com

میں مصروف پایا کہ عیسیٰ علیہ السّلام کا پیشاب پاک تھا یا ناپاک۔ اور آسمان سے جو دستر خوان (مائدہ) آیا تھا اس میں خمیری روٹی تھی یا فطیری (غیر خمیری)

آج مسلمانوں میں بھی اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جو بہت سے علمائے کرام کا ذریعۂ معاش بنے ہوئے ہیں۔

اور دنیادار طبقہ کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں رہ جاتی ہے اس بنا پر وہ اور زیادہ مفاد پرستی و ہوس رانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ترقی کی راہیں کون سی ہیں اور تنزل کی کون سی؟ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ "جبراتیم تمدن" جو ترقی کا نقاب ڈالے ہوئے ہوتے ہیں وہ انھیں کو ترقی کے لئے سب کچھ جان کر اختیار کر لیتا ہے اور خود فریبی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھتا ہے کہ ہم زمانہ کی ترقی کا ساتھ دے رہے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جن بعض اجتماعیین نے ترقی کی راہ میں مذہب کو رکاوٹ قرار دے کر کہا ہے کہ "مشرقی اقوام کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہب ہے"[1]

وہ دراصل اسلامی تعلیمات سے عدم واقفیت اور اسلامی تاریخ سے تعصب کی بنا پر ہے چنانچہ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسلمان اپنے ابتدائی دور میں جس قدر مذہب کی پابندی میں سخت تھے اسی قدر فتوحات اور ترقیات کا سلسلہ وسیع تھا۔ بعد میں جس قدر مذہب سے اغراض بڑھتا گیا شرک و نفاق اپنا قدم جماتے گئے اور بے عملی و بدعملی کے "جبراتیم" پیوست ہو گئے

---

[1] تمدن ہند از ڈاکٹر لیبان ص ۱۸۲ و تمدن عرب۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیام و بقا کی جد وجہد میں وہ پیچھے رہ گئے اور دوسری قومیں ان سے آگے نکل گئیں۔

سائنٹفک دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کے وقت سے ہوا ہے

جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ سائنٹفک دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی تاریخ (چھٹی صدی عیسوی) سے ہوا ہے اسی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں (آفتاب و ماہتاب سے لیکر ذرہ تک) اپنی اصلی ساخت اور مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت گذاری کے لئے پیدا ہوئی ہیں اور انسان کو یہ اہلیت دی گئی ہے کہ وہ عقل و تجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کر کے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یہ اس زمانہ کی بات ہے جب کہ دنیا کے دیگر مذاہب سائنس کے عناصر کو مافوق القوۃ اور مقدس اشیاء سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے یا اس خیال کے ماتحت کہ "اللہ نے کائنات کو پیدا کر کے حکمرانی کے لئے شیطان کے حوالہ کر دیا ہے" مطالعہ فطرت کو مذموم جانتے تھے اور جو کوئی اس کی جانب توجہ کرتا اس کا بھوت پلید سے تعلق جوڑتے تھے۔

چند علماء یورپ کی شہادتیں

قرآن حکیم کے اسی تخیل کے پیش نظر صلیبی جنگیں اور ضرورتیں بڑھتی گئیں مسلمان برابر ادھر توجہ کرتے رہے حتی کہ یورپ کو اس قابل بنایا کہ وہ نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھ سکے۔

جیسا کہ جان ڈیون پورٹ نے لکھا ہے۔

Marfat.com

"تمام علوم مثلاً طبعی۔ نجوم۔ فلسفہ اور ریاضی وغیرہ جو چودھویں صدی عیسوی سے یورپ میں رائج ہوئے وہ سب کے سب عربی مدارس سے ماخوذ ہیں اس بنا پر ہسپانیہ کو یورپی فلسفہ کا موجد تسلیم کرنا چاہیئے"
عربی مدارس میں یہ ساری تعلیم بلا امتیاز مذہب و ملت دی جاتی تھی کسی قوم و مذہب کی تخصیص و تفریق نہ تھی۔

"رینان" کہتے ہیں

"سائنس اور ادب کا مذاق دسویں صدی عیسوی تک دنیا کے اس ممتاز گوشہ میں اس طرح قائم ہو گیا تھا جس کی رواداری کی مثال موجودہ دور میں عنقا ہے۔ عیسائی یہود و مسلمان سب ایک ہی زبان بولتے تھے ایک ہی نغمہ گاتے تھے اور ایک ہی ادبی و سائنٹفک سندِ درس کے حاشیہ نشین تھے وہ تمام قیود جن کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے جدا رہتے تھے وہ یکلخت اٹھا دیئے گئے تھے اور سب کے سب متفق ہو کر مشترکہ تمدن کی بنیاد ڈالنے میں مصروف جد و جہد ہو گئے تھے قرطبہ کی مسجدیں جن میں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ رہتے تھے وہ اس علم و حکمت کا مرکز بن گئی تھیں،

"گسٹو درکس" نے "اسلام کا احسان یورپ پر" نامی کتاب لکھی ہے جس میں صراحتہً کہا ہے کہ

"یورپ سائنٹفک انکشافات میں اسلام کا ممنون ہے اسلام ہی کے طفیل علما رسائنس بیکن نیوٹن وغیرہ جیسے لوگ پیدا ہوئے اگر مسلمانوں

Marfat.com

نے کاغذ بارود قطب نما اور دیگر آلات ترقی کو رواج نہ دیا ہوتا تو یورپ کی سائنس اور تہذیب کی چودہ سو برس پہلے جو حالت تھی وہی آج ہوتی"[1]

ان تصریحات کے بعد اسلامی تعلیمات پر کیسے کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش باقی رہ سکتی ہے۔

ذیل میں ہم بے عملی اور بدعملی کے اثرات چند تاریخی شہادتوں کی روشنی میں بیان کرتے ہیں جن سے مذکورہ بالا بیان کی مزید توثیق ہو سکے گی۔

زوال کے زمانہ میں رومن قوم کی حالت

رومن قوم کا حال اس کے زوال کے زمانہ میں "لیسکی" نے یہ بیان کیا ہے۔

"رومی قوم اس وقت انتہائی رہبانیت اور انتہائی بدکاری کے تھپیڑوں کے درمیان جھونکے کھا رہی تھی بلکہ بعض شہروں میں جن میں کثیر التعداد زہاد و راہبین پیدا ہوئے تھے وہ وہی تھے جن میں عیش پرستی اور بدچلنی کی سب سے زیادہ گرم بازاری تھی ..... غرض بدکاری اور توہم پرستی کا اجتماع ہو گیا تھا جو انسان کی شرافت و عظمت کا قطعی دشمن ہے۔ رائے جمہور اس قدر ضعیف ہو گئی تھی کہ لوگوں کو رسوائی اور بدنامی کا مطلق خوف نہیں باقی رہا تھا ضمیر کو مذہب کا دھڑکا ہو سکتا تھا لیکن اسے بھی اس اعتقاد نے مٹا دیا تھا کہ دعاؤں وغیرہ کے ذریعہ سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں مکاری اور دغابازی کی

---

[1] تفصیل کیلئے "اسلام اور عروج سائنس" "مسلمانوں کی تہذیب و تمدن وغیرہ موضوع پر کتابیں دیکھنی چاہئیں ۱۲

وہ گرم بازاری تھی جو قیاصرہ کے زمانہ میں بھی نہ تھی"۔[1]

ڈاکٹر گبن نے رومی قوم کی حالت پر نہایت تفصیلی بحث کی ہے وہ کہتے ہیں

"عیش پرستی کا یہ حال تھا کہ لوگ ایک عرصہ سے تاہل کے بجائے تجرد کی زندگی زیادہ پسند کرتے تھے تاکہ زیادہ آسانی اور آزادی کے ساتھ اپنے شہوانی جذبات کی تشفی کر سکیں . . . . . کفایت شعاری جتنی زیادہ ہوتی جاتی تھی اسی نسبت سے اس کی طرف سے بے اعتنائی بڑھتی جاتی تھی اور جس نسبت سے رعایا کے مصائب روز افزوں تھے اسی نسبت سے ٹیکس میں اضافہ ہوتا جاتا تھا . . . . . یہ غیر ممکن تھا کہ اس زمانہ کے لوگ تن آسانیوں میں رہ کر زوال کے اسباب نہ دیکھتے۔ رومی زندگی میں ایک زہریلا اثر سرایت کر رہا تھا۔ شعراء اور مقررین کی لوگ غلامانہ تقلید کرتے تھے۔ جدت طبع ختم ہو چکی تھی اور یہ ایسا تنزل تھا جس سے ان کے جذبات پست و ذلیل اور قویٰ پژمردہ ہو گئے تھے"۔[2]

سیل صاحب نے دیباچۂ قرآن میں لکھا ہے کہ

"گرجا کے پادریوں نے مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور امن، محبت نیکی کو مفقود کر دیا تھا۔ اصل مذہب بھول گئے تھے اور اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے۔ اسی تاریک زمانہ میں اکثر وہ توہمات جو رومن چرچ کے لئے باعث ننگ ہیں مذہبی صورت میں قائم کئے گئے

---

[1] تاریخ اخلاق یورپ ص ۱۰۴۔ [2] تاریخ زوال روما ج ۱ و ۲۔

خصوصاً ولیوں اور مجسموں کی پرستش نہایت بے شرمی سے ہونے لگی تھی ۔۔۔۔ بادشاہوں اور پادریوں میں عقائد و اخلاق کی جو خرابیاں پھیلی ہوئی تھیں اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عوام کی حالت تبذل ہوگئی ان کا مقصد روپیہ پیدا کرنا خواہ کسی ذریعہ سے ہو اور اس روپیہ کو وہ نفاست اور عیاشی میں اڑاتے تھے[1]

زوال کے زمانہ میں ایرانیوں کی حالت

ایرانیوں کا حال بھی بحیثیت مجموعی رومیوں جیسا تھا چنانچہ

" بادشاہوں کے ظلم و ستم کا بازار گرم تھا امراء کی عیش پرستیوں اور خود غرضیوں نے صداقت و اخلاص اور ہر قسم کے اخلاقی جوہر (جس کے خمیر سے قوم کی زندگی تعمیر ہوتی ہے) فنا کر دیئے تھے۔ لوگوں میں خست و دنائت سرایت کر گئی تھی اور اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ سے اعراض کرنے لگے تھے"[2]

" تعیش پرستی و آزاد روی کا نتیجہ تھا کہ چھٹی صدی عیسوی میں قباد اول بن فیروز کے زمانہ میں "مزدک" نامی تحریک وجود میں آئی (مزدک مجوسیوں کا ایک مذہبی پیشوا تھا) جس نے دولت اور عورت کو مشترک قرار دیا۔ ہوس ران امراء اور عوام دونوں نے اس تحریک کو خوشی خوشی قبول کیا اور خود قباد نے اس دین کی ترویج و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا یہاں تک کہ وہ تقریباً ساری قوم عیش پرستی کے نشہ میں مخمور رہ گئی۔

---

[1] سیرت النبی ج ۴ ص ۲۲۶ ۔ [2] تاریخ ایران جلد ۱۔

Marfat.com

۵۳۱ء میں خسرو نوشیرواں نے اس فتنہ کو بزور شمشیر دبانے کی کوشش کی لیکن پوری طرح وہ کامیاب نہ ہو سکا[1]

مسلم حکومت کے زوال پر شاہ ولی اللہؒ کی بحث

شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے رومیوں اور عجمیوں کے اسباب زوال پر نہایت قیمتی بحث کی ہے اس کا مطالعہ اس موقع پر نہایت مفید ہے[2]

مسلم حکومت کے اسباب زوال پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے

وغالب سبب خراب	اس زمانہ میں ملک کی خرابی اور
البلدان فی هذ الزمان	ویرانی کے زیادہ تر دو سبب ہیں
شیأن احدهما تضیقهم	(۱) ایک سرکاری خزانہ پر تنگی
علیٰ بیت المال ان یعتادو	اس طرح کہ لوگوں کی یہ عادت
والتکسیب بالاخذ منه	پڑ گئی ہے کہ کسی محنت کے بغیر خزانہ
علیٰ انهم من الغزاة او	سے روپیہ اس دعویٰ کے ساتھ
من العلماء الذین لهم	حاصل کرتے ہیں کہ وہ سپاہی ہیں
حق فیه او من الذین	یا عالم ہیں کہ جن کا حق اس خزانہ
جرت عادة الملوك	میں ہے یا ان لوگوں میں سے ہیں
لصلتهم کالنحاة والشعراء	جن کو بادشاہ خود انعام دیا
او بوجه من الوجوه التکری	کرتے ہیں جیسے زہد پیشہ صوفی

---

[1] الملل والنحل ج ۱ ص ۶۶۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم۔

ویکون العمدة عندهم هو التکسب دون القیام بالمصلحة فیدخل قوم علی قوم فینغصون علیهم ویصیرون کلا علی المدینة والثانی ضرب الضرائب الثقیلة علی الزراع والتجار والمتحرفة والتشدید علیهم حتی یفضی الی اجحاف المطاوعین واستئصالهم والی تمنع اولی باس شدید ویغبنهم وانما تصلح المدینة بالجبایة الیسیرة واقامة الحفظة بقدر الضرورة فلیفهم اهل الزمان هذه النکتة[ا]

شاعر اور دوسرے وہ لوگ جو ملک وقوم کا کوئی کام کئے اور محنت کئے بغیر کسی نہ کسی طرح روزی حاصل کرتے ہیں یہ لوگ دوسروں کے ذرائع آمدنی کو کم کر دیتے ہیں اور ملک وقوم پر بوجھ ہیں (۲) دوسرا سبب کاشتکاروں بیوپاریوں اور پیشہ وروں پر بھاری محصول لگانا اور ان پر تحصیل وصول میں یہاں تک سختی کرنا کہ جو بیچارے مطیع اور حکم کے ماننے والے ہیں وہ تباہ ہو رہے ہیں اور جو سرکش ونادہند ہیں وہ باغی بن رہے ہیں حالانکہ ملک وسلطنت کی آبادی وسرسبزی کم محصول فوج اور عہدہ داروں وغیرہ کے بقدر ضرورت تقرر پر ہے اس زمانہ کے لوگوں کو ہشیاری کے ساتھ سیاست کے اس نکتہ پر

ا حجۃ اللہ البالغہ باب سیاسۃ المدینۃ۔

Marfat.com

شاہ صاحب نے ان دو سببوں میں بہت کچھ کہدیا ہے۔ تجربہ کے بعد ہی پتہ چلتا ہے کہ قومی زندگی میں یہ دونوں کب اور کیونکر پیدا ہوتے ہیں؟

شاہ صاحب کا مقصد انھیں وجوہ واسباب کی طرف نشاندہی کرنا ہے بطور اثر اور نتیجہ کے دو باتیں بیان کر دی ہیں تاکہ غور و فکر کرنے والے ان دونوں کی گہرائی تک پہنچکر کھوج لگائیں۔

عیش پرستی کی ذہنیت ہوتی ہے جو زوال پذیر قوم پر مسلط ہو جاتی ہے

ایک اور موقع پر حضرت شاہ صاحب عیش پرستی کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

لم یبق
منھم احد من اسواقھم
ورستاقھم وغنیھم
وفقیرھم الا قد
استولت علیہ[1]

عام وخاص رعایا ودہقان امیر وغریب کوئی نہیں باقی رہ گیا تھا جس پر عیش وآرام نہ مسلط ہو۔

در اصل عیش وعشرت کی ذہنیت ہوتی ہے جو زوال پذیر قوم کے افراد پر مسلط ہو جاتی ہے خواہ مال ودولت ان کے پاس ہو یا نہ ہو۔

البتہ جب مال ودولت کی فراوانی ہوتی ہے تو اس ذہنیت کے مظاہرہ کی شکل دوسری ہوتی ہے اور جب فراوانی نہیں ہوتی ہے تو اسکی دوسری شکل ہو جاتی ہے لیکن اس ذہنیت کا مظاہرہ کسی نہ کسی شکل میں بہرصورت ہوتا رہتا ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب سیاسۃ المدینۃ۔

Marfat.com

باطل پرستی و خود فریبی

"الحق" کی جو تشریح اوپر گذر چکی ہے باطل ٹھیک اس کی نقیض ہے۔ قومی و جماعتی زندگی میں اثر کی صورت یہ ہے کہ انسان معنوی لحاظ سے دو جزو سے مرکب ہے (۱) ایک وہ ہے جس کے ذریعہ حیات حیوانی کے قیام و بقا کی جدوجہد ہوتی ہے اور (۲) دوسرا وہ ہے جس کے ذریعہ حیات انسانی (انسانیت) کے نشوونما کی جدوجہد ہوتی ہے۔

دوسرے جزو کا ماحصل حق اور حقیقت کا ادراک اور عملی زندگی میں اُسے بروئے کار لانا ہے۔

باطل پرستی و خود فریبی سے بصیرت نفس ختم ہو جاتی ہے

(۱) قوم جب باطل پرست رہتی ہے تو زیادہ تر اس کا اثر اسی دوسرے جزو پر پڑتا ہے جس کی بنا پر بصیرت[1] نفس ختم ہو جاتی ہے۔ صحیح ذوق و وجدان نہیں باقی رہتا ہے۔ چنانچہ نہ حق کا صحیح ادراک ہو پاتا ہے اور نہ ہی اس کے بروئے کار لانے کی کوشش ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ ایسی حالت میں بھی غور و فکر کرنے والے لوگ موجود رہتے ہیں لیکن ان کا زیادہ تر تعلق یا تو حیات حیوانی سے رہ جاتا ہے اور یا یہ کہ

---

[1] بصیرت نفس، ادراک کی اس استعداد کا نام ہے جو حق پرستی کے نتیجہ میں انسان کو حاصل ہوتی ہے اور تعقل کے متعارف ذرائع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ القاء کشف و الہام وغیرہ اسی ذریعۂ ادراک سے متعلق ہیں ۱۲۔

حیات انسانی سے متعلق ان کی کوششیں بار آور نہیں ہوتی ہیں۔

قرآن حکیم نے قوم کی اسی حالت کو "ختم اور طبع" (مہر کرنا) وغیرہ الفاظ سے ذکر کیا ہے۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا۔۔ .... $\frac{۴}{۱۵۵}$

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اسی لئے چند لوگوں کے سوا سب ایمان سے محروم ہیں۔

نفوس میں انجماد ہوجاتا ہے (۲) نفوس میں ایک خاص قسم کا انجماد پیدا ہو جاتا ہے سب کچھ دیکھنے اور سننے کے باوجود نہ اس کا کچھ اثر لیا جاتا ہے اور نہ ہی حالت میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ... $\frac{۱۲}{۴۶}$ ....

کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ عبرت حاصل کرتے ان کے پاس دل ہوتے اور سمجھتے بوجھتے کان ہوتے اور اس کے ذریعہ سنتے ہوتے اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ۱۷۹

ان کے پاس دل ہیں لیکن سمجھتے نہیں ہیں آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں ہیں کان ہیں مگر سنتے نہیں ہیں

Marfat.com

اصل یہ ہے کہ حیات اجتماعی کا مایۂ خمیر ہی افراد کی تعلیم پذیری و اثر پذیری ہے جب تک افراد میں ایسی لچک موجود رہتی ہے کہ وہ مؤثرات خارجی کو جذب اور ہضم کر سکتے ہیں اسی وقت تک جماعتی زندگی اور اس کے خد و خال باقی رہتے ہیں اور جب اندرونی زندگی میں انجماد پیدا ہو جاتا ہے اور خارج کی کوئی شئے انھیں متاثر نہیں کر سکتی ہے تو جماعتی نظم و نسق درہم برہم ہو جاتا ہے اور پھر ارتقار کی ضمانتیں ضبط ہو جاتی ہیں۔

اس بارے میں پروفیسر "جیمس" نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ

"انسان اصولاً بس ایک تقلید کرنے والا حیوان ہے اس کی ساری تعلیم پذیری بلکہ ساری تمدنی ترقی کا دارومدار انسان کی اسی خصوصیت پر ہے[۵]"

ممکن ہے اس میں کسی قدر مبالغہ ہو لیکن بہت حد تک اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

قوم بحیثیت مجموعی عجائب پرست بن جاتی ہے۔

(۳) قوم بحیثیت مجموعی عجائب پرست بن جاتی ہے جہاں ذرا سی کوئی بات عجیب معلوم ہوئی بس اسی کی معتقد بن گئی اور اسی کے پیچھے چل پڑی۔

ایسی حالت میں نہ سچے رہنماؤں کی قدر باقی رہتی ہے اور نہ ہی حقیقی اعمال و افعال کی، بلکہ اس کا کام ہر شعبدہ باز سامری صفت کے ہاتھوں کھیلنا اور خود فریبی میں مبتلا ہو کر ہر حق پرست کو مطعون کرنا رہ جاتا ہے قرآن حکیم نے

---

۵ جیمس پرنسپلز آف سائیکالوجی ج ۳ از فلسفۂ اجتماع ص ۳۶۔

یہودی قوم کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَا اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ۲۰/۸۸

سامری ان کے لئے ایک بچھڑا نکال کر لایا محض ایک بے جان دھڑ جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی لوگ یہ دیکھ کر بول اٹھے یہ ہے ہمارا (معبود اور موسیٰؑ کا معبود گمراہ بھول میں پڑ گیا۔)

جرائم کو سمجھنے والے لوگ نہیں رہ جاتے ہیں

(۴) علم و ہنر ایجادات و انکشافات کے باوجود سوسائٹی کے جرائم سمجھنے والے لوگ نہیں رہ جاتے ہیں اور جو رہتے بھی ہیں ان کی آواز کالعدم بن جاتی ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ قوم کی سیرت بالکلیہ مسخ ہو جاتی ہے اور وہ جرائم پیشہ بن جاتی ہے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَا اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۴/۴۷

(ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم لوگوں کے چہرے مسخ کر کے ان کے پیٹھ کے پیچھے کر دیں یا ایسا ہو کہ جس طرح اصحاب سبت پر ہماری پھٹکار پڑی تھی اسی طرح ان پر بھی پڑے یاد رکھو اللہ نے جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

(۵) ایسی حالت میں بھی ان کی عقل مندی و ہوشیاری کا اعتراف قرآن حکیم کی اس آیت میں ہے۔

Marfat.com

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ	اور ہم نے قوم عاد و ثمود کو ہلاک
لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ	کیا جن کے مکانات کے آثار تمہارے
لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ	سامنے ہیں شیطان نے ان کے اعمال
فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ	کو مزین کر دکھایا تھا حالانکہ وہ
وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۔ ۲۹/۳۸	لوگ ہوشیار و عقل مند تھے ۔

بدعات اور جرائیم تمدن کو شیطان بقا اور ارتقار کا سبب بنا کر پیش کرتا ہے

آیت میں "زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ" ہے (شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دکھلایا ہے) خود فریبی میں مبتلا ہونے کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ مروجہ بدعات اور جرائیم تمدن کو شیطان ان کی نظروں میں بقار و ارتقار کا سبب بنا کر پیش کرتا ہے جس کی بنا پر ان چیزوں سے نہ بچنے کی نوبت آتی ہے اور نہ ضرورت ہی پیش آتی ہے ۔

بے ثباتی و خود غرضی

زوال کا چوتھا اہم سبب بے ثباتی و خود غرضی ہے ۔

نفسیاتی لحاظ سے زندگی میں جب صبر کے جذبات کمزور پڑتے ہیں تو مذکورہ قسم کے جذبات ابھر آتے ہیں جن سے ایک طرف تو وہ اخلاق تباہ ہوتے ہیں جو بقار کے لئے ضروری ہیں مثلاً عدل ۔ ہمدردی ۔ فیاضی ۔ ایثار و قربانی وغیرہ ۔

اور دوسری طرف ان اوصاف پر زد پڑتی ہے جو ارتقار کے لئے لازمی ہیں مثلاً ہمت ۔ قوت ارادی ، عملی قابلیت ۔ اقدام عمل ۔ شوق تحقیقات ۔

Marfat.com

قوت استنباط - جدت طبع وغیرہ -

قوم جب گراوٹ کی اس منزل پر پہنچتی ہے تو خواہش کا نام ارادہ پڑ جاتا ہے - انسانی ضمیر سپر ڈالدیتا ہے اور موروثی اخلاق واصاف تک محفوظ نہیں رہ پاتے ہیں قرآن حکیم کی روشنی میں چند اثرات یہ ہیں -

قوم شکوہ سنجی میں مبتلا ہوجاتی ہے اور قسمت کا ماتم کرنے لگتی ہے

(۱) قوم کے افراد عزم و مقاصد کی راہ میں مصائب ومشکلات جھیلنے کے بجائے شکوہ سنجی میں مبتلا ہو جاتے ہیں جب ہمت وجوانمردی کے جوہر دکھلانے کا وقت آتا ہے تو کوسنا اور قسمت کا ماتم کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس راہ کی معمولی سی معمولی تکلیف بھی ان کے لئے پہاڑ بن جاتی ہے -

موسیٰ علیہ السلام نے جب یہودیوں کو صبر وثبات کی تعلیم دی تو انھوں نے یہ جواب دیا

اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا — تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم
وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا . . . — ستائے گئے اور آنے کے بعد بھی
. . . . $\frac{۱۲۸}{۷}$ — ہم ستائے جارہے ہیں -

(۲) ذہنی طوائف الملوکی کی وبا عام ہو جاتی ہے تو قوموں میں انتشار اور رایوں پر اغراض کا قبضہ ہوجاتا ہے -

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ — تو ان کو متفق سمجھتا ہے حالانکہ
شَتّٰى . . . . . . $\frac{۵۹}{۱۴}$ — ان کے دل متفرق ہیں -

(۳) مرغوبات ومفادات میں الجھ کر ہجرت جہاد اور نصرت رجو قیام دبقاء

کے لئے ضروری ہیں) سے روگردانی کی جاتی ہے اور طرح طرح کاربراری کی کوشش ہوتی ہے۔

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ..... ۳/۱۶۱ — وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم قتال مناسب جانتے تو ضرور تمھارے ساتھ ہوتے۔

حالانکہ ان کی اندرونی کیفیت یہ ہوتی ہے۔

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ..... ۳/۱۶۱ — وہ لوگ ایمان کے مقابلہ میں کفر سے زیادہ نزدیک تھے زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو حقیقۃً ان کے دل میں نہیں ہے۔

قومی کام کا ولولہ نہیں باقی رہتا ہے

(۴) ضبط نفس نہیں باقی رہتا ہے۔ نظم و اطاعت اور استقامت کی روح ختم ہو جاتی ہے کام کے ولولے نہیں پیدا ہوتے ہیں اور اگر کچھ کام شروع بھی کیا تو ثابت قدمی سے محروم رہتے ہیں۔

چنانچہ نہر کے پانی کے سلسلہ میں جب یہودیوں کی آزمائش کی گئی تو انھوں نے انتہائی بے صبری کا مظاہرہ کیا۔

فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ..... ۲/۲۵۰ — ایک قلیل تعداد کے سوا سب نے پانی پی لیا۔

جب قوم کے افراد ایک گھڑی کی پیاس بھی ضبط نہ کر سکیں تو زندگی کی کشمکش سے عہدہ برآ کرنے کی کیسے توقع رکھی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

قوم کے جوان و نوجوان بھی تباہی کا شکار ہو جاتے ہیں

ایسی حالت میں قوم کے جوانوں اور نوجوانوں کے دلوں میں بھی یاس و حرمان کی تخم پاشی ہو جاتی ہے ان کی قوت ارادی مفقود ہو جاتی ہے اور وقتی و ذاتی فائدے کے غلام بن جاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ اصلی سرمایہ قوم کے جوان اور نوجوان ہی ہوتے ہیں یہی زندگی بخش تصورات قبول کرتے ہیں اور انھیں کے ہاتھوں انقلاب آتا ہے۔ بوڑھوں میں چونکہ قوت مدافعت اور قوتِ اقدام کی کمی ہوتی ہے نیز شعوری و غیر شعوری طور پر ان پر ماحول کا کافی اثر ہوتا ہے اس لئے انقلابی تصور ان کے دماغ میں پیدا ہی نہیں ہوتا ہے اور اگر ہوتا بھی ہے تو اس کو بروئے کار لانے کی ہمت و سکت نہیں باقی رہتی ہے۔

قرآن حکیم سے بھی ایک جزئی واقعہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام کے قصہ میں ہے۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ۱۰/۸۳

موسیٰ پر کوئی ایمان نہیں لایا مگر صرف ایک گروہ جو قوم کے نوجوانوں کا گروہ تھا۔

جب کسی قوم کا یہ طبقہ ذہنی و فکری اور عملی لحاظ سے تباہ ہو جائے تو پھر اس قوم کے ابھرنے کی امیدیں ختم ہو جاتی ہیں اور دن بدن ذلت و پستی کے غار میں گرتی چلی جاتی ہے۔

جوانی اور بڑھاپے کی ایک نئی تقسیم

یہاں ایک یہ شبہہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات عزم و حوصلہ میں جوان بوڑھے نظر آتے ہیں اور بوڑھے جوان بن جاتے

Marfat.com

ہیں۔ اس بنا پر قیام و بقاء کی جد وجہد صرف جوانوں تک محدود کرنا صحیح نہیں ہے۔

میرے خیال میں قیام و بقاء کی جد وجہد کے سلسلہ میں عمر کو جوانی اور بڑھاپے کے بجائے تین دوروں میں تقسیم کرنا زیادہ مناسب ہے۔

(۱) وہ دور جس میں خود کی زندگی نمایاں مقام رکھتی ہے (۲) وہ جس میں دوسروں کی زندگی کا غلبہ ہوجاتا ہے (۳) وہ جس میں خود دوسروں کے لئے بار بنتا ہے۔

یہ تقسیم سن اور سال پر منحصر نہیں ہے بلکہ اندرونی جذبات اور ذہنیت پر اس کا دارومدار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص عمر کے لحاظ سے بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو لیکن ذہنی اور جذباتی زندگی کے لحاظ سے وہ دور اول کے قابل ہو اسی طرح ممکن ہے ذہنیت اور جذبات کے لحاظ سے دوسرے اور تیسرے دور کے لائق ہو لیکن عمر کے لحاظ سے ابھی وہ جوان بلکہ نوجوان ہو۔

اس تقسیم کے لحاظ سے انسان صرف پہلے دور میں انقلابی جد وجہد کے لئے موزوں ہوتا ہے اور جوان کہلاتا ہے خواہ اس کی عمر کچھ ہو جہاں اس نے دوسرے دور میں قدم رکھا بس وہ الجھ کر رہ جاتا ہے اور ایثار و قربانی کے کام اس سے نہیں ہو پاتے ہیں اس بناء پر بڑھاپے میں داخل شمار ہوتا ہے۔

اس کی تائید رسول اللہؐ کی درج ذیل حدیث سے بھی کسی قدر ہوتی ہے

ان الولد مبخلۃ و ... ۵ — اولاد بخل اور بزدلی کا سبب ہیں

ماہرین نفسیات کے ایک شبہہ کا جواب | مذکورہ توجیہ میں انسان کے خود غرضانہ جذبات

---

۵ شرح السنۃ و احمد از مشکوٰۃ ص ۱۱۹۔

Marfat.com

زیادہ آسانی کے ساتھ قربان کرنے کو ترجیح دی گئی ہے حالانکہ ماہرین نفسیات کے نزدیک سب سے زیادہ قوی وہ جذبات ہیں جن سے انسان کی حیات شخصی وابستہ ہے پھر ان جذبات و خواہشات کا نمبر آتا ہے جن پہ اس کی اولاد کا وجود اور ان کی زندگی منحصر ہے پھر تیسرے نمبر پہ وہ احساسات ہیں جن پہ انسان کی حیات عمرانی مشروط ہے اس بنا پر سب سے زیادہ قوی خود غرضانہ جذبات ہیں اور ان کا قربان کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے لیکن نفسیاتی اور جذباتی زندگی کی یہ تقسیم دراصل انسان کے انفرادی طبعی تقاضہ اور ڈارون کے فلسفۂ ارتقار کی بنیاد پہ ہے۔ اور مذکورہ تقسیم کی بنیاد انسان کی اجتماعی اور تمدنی زندگی کی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ جب انسان اجتماعی اور تمدنی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو احساسات و جذبات کی مذکورہ ترتیب میں یکسر تبدیلی ہو جاتی ہے اور انسان خود پر دوسروں کو ترجیح دینے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ دوسرے کی خاطر اپنے کو وقف بھی کر دیتا ہے۔

یا یہ کہیں کہ نفسیات کی تقسیم حیوانی تقاضا پورا کرنے کے سلسلہ میں ہے اس مرحلہ میں انسان ذاتی خواہشات و جذبات ہی کو غالب رکھتا ہے مثلاً بھوک کی حالت میں کبھی اولاد تک کو مار کر کھا جاتا ہے یا فروخت کر دیتا ہے وغیرہ۔ اور مذکورہ بالا تقسیم انسانی تقاضے کے سلسلہ کی ہے جس قدر انسانی تقاضوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے اسی قدر دوسروں کی ترجیح کا سوال سامنے آتا ہے اور انسانیت کو نشو و نما حاصل ہوتی ہے۔

مکمل تاریخِ اسلام

گیارہ جلدوں میں

تاریخ اسلام کا یہ سلسلہ جو تاریخِ ملّت کے نام سے مشہور ہے تمام طبقوں میں مقبول ہو چکا ہے۔ مختلف خصوصیات کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہے، زبان کی سلاست، ترتیب کی دلنشینی اور جامعیت اسکی ایسی خصوصیتیں ہیں جو آپ کو اس سلسلہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملیں گی۔ خلفاء اور سلاطین کی شخصی زندگی سبق آموز واقعات کو اس میں اہتمام کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے اس کتاب کے مطالعہ کے بعد تاریخ اسلام کے تمام ضروری اور مستند حالات سامنے آجاتے ہیں اور عہدِ نبوت سے لیکر بہادر شاہ آخری مغل تاجدار کے زمانہ تک کے حالات کا نقشہ نکھر جاتا ہے۔ تاریخ کی یہ گیارہ جلدیں بیس سال کی محنت شاقہ کے بعد تیار ہوئی ہیں اور عوام و خواص سب کے مطالعہ کے قابل ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں کے کورس میں داخل ہونے کے لائق کتاب۔

جلد اوّل — نبی عربی
جلد دوم — خلافتِ راشدہ
جلد سوم — ،، بنی اُمیّہ
جلد چہارم — ،، ہسپانیہ
جلد پنجم — ،، عباسیہ (حصّہ اوّل)
جلد ششم — خلافتِ عباسیہ (حصّہ دوم)
جلد ہفتم — تاریخ مصر
جلد ہشتم — خلافتِ عثمانیہ
جلد نہم — تاریخ صقلیہ
جلد دہم — سلاطین ہند اوّل
جلد یازدہم — سلاطین ہند دوم

قیمت مکمل سیٹ غیر مجلد اکتیس روپے آٹھ آنے - مجلد چونتیس روپے

Marfat.com

۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ

۱۸۵۷ء کے واقعات پر ہندوستان و پاکستان میں متعدد کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ لیکن یہ روزنامچہ اپنی مختلف خصوصیات کے لحاظ سے ایک عجیب تاریخی دستاویز ہے۔ روزنامچہ لکھنے والے عبداللطیف ہیں جنھوں نے قلعہ دہلی کا آنکھوں دیکھا حال صاف شستہ اور موثر انداز میں سپردِ قلم کیا ہے۔ اس روزنامچے میں بعض ایسی معلومات بھی ملتی ہیں جو پہلی بار اسی روزنامچہ کے ذریعہ سامنے آئی ہیں۔ اس روزنامچہ کو پڑھ کر ۱۸۵۷ء کے سبق آموز اور عبرتناک تاریخی ہنگامہ کے چشم دید حالات و واقعات کا نقشہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ سامنے آجاتا ہے۔

کتاب کے مرتب مشہور فاضل اور مؤرخ خلیق احمد صاحب نظامی ہیں جن کی تاریخی بصیرت مسلمات کا درجہ رکھتی ہے۔ شروع میں ڈاکٹر یوسف حسین صاحب پرووائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے "پیش لفظ" کے علاوہ خلیق احمد صاحب کا نہایت جامع اور بصیرت افروز مقدمہ بھی ہے اس کے بعد اصل روزنامچہ کا فارسی متن اور پھر اس کا سہل و شگفتہ اردو ترجمہ، صفحات ۲۱۶ تقطیع $\frac{۲۰ \times ۲۶}{۸}$ قیمت غیر مجلد تین روپے پچاس نئے پیسے مجلد مع نفیس لطیف اور دیدہ زیب ڈسٹ کور، چار روپے پچاس نئے پیسے

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

قیمت :- سات روپے

Marfat.com

اُردو میں پہلی عظیم الشان سیاسی لغت

جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات

جس میں بین الاقوامی سیاست سے متعلق ہر چیز کو جمع کر دیا گیا ہے۔ پوری کتاب تقریباً اٹھارہ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور تین جلدوں میں منقسم ہے۔ پہلی جلد میں تمام بین الاقوامی شخصیتوں، قوموں اور ملکوں کے حالات کا بیان ہے، دوسری اور تیسری جلدیں بین الاقوامی اداروں کے حالات، معاہدات، تحریکات و نظریات، سیاسی اصطلاحات، واقعات محاربات مسائل اور تنازعات کو جمع کر دینے کے علاوہ متفرقات کے عنوان سے بہت سی اہم مفید معلومات بھی جمع کر دی گئی ہیں۔

یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ "بین الاقوامی سیاسی معلومات کے متعلق کی کوئی کتاب اس موضوع پر آج تک شائع نہیں ہوئی تھی اس کی اشاعت سے ہماری زبان میں ایک لاثانی معلوماتی کتاب وجود میں آگئی ہے۔ ملک کے مشہور اور موقر اخبارات و رسائل نے کتاب پر نہایت شاندار ریویو کئے ہیں۔ ماہنامہ "آجکل" دہلی کی رائے میں "یہ کتاب اپنی نوعیت کا واحد انسائیکلو پیڈیا ہے"۔ معارف اعظم گڈھ کی رائے ہے کہ "یہ کتاب نہ صرف اردو خواں بلکہ انگریزی داں طبقہ کے لئے بھی مفید ہے"۔ ہفتہ وار صدق نے لکھا ہے "یہ کتاب اردو زبان کی ایک بہت بڑی کمی کو پورا کرتی ہے اور اس کے مطالعہ سے بین الملکی سیاسیات سے متعلق اچھی خاصی بصیرت پیدا ہو سکتی ہے"۔ یہ کتاب مدرسوں، لائبریریوں اور اخبارات کے دفتروں میں ریفرنس بک کی حیثیت سے بھی رکھے جانے کے لائق ہے۔ جلد اوّل ۸۰۸ صفحات قیمت آٹھ روپے جلد دوم ۹۶۴ صفحات قیمت ۵؎ جلد سوم ۴۴۲ صفحات قیمت ۵؎

Marfat.com

موجودہ زمانہ کی بہترین سیاسی کتابیں

شہنشاہیت
جدید سرمایہ داری کی مکمل تاریخ
شہنشاہیت کی حقیقت، اس کی تاریخ اور کارناموں کی تفصیل اور اسکے نتائج واثرات پر اردو میں پہلی کتاب جس کا مطالعہ تاریخی اور سیاسی ذوق رکھنے والوں کیلئے بیحد بصیرت افروز اور معلومات افزا ثابت ہوگا۔ مطالعہ کے لائق کتاب، صفحات دوسو۔ قیمت مجلد مع خوبصورت گردپوش۔ دو روپے۔

انقلابِ روس
اور روس انقلاب کے بعد
روس کے زبردست انقلاب اس کے پس منظر، اس کی تاریخ اور اس کے اثرات پر اعلیٰ درجے کی کتاب، پہلے حصہ میں پہلی جنگ سے لیکر ۱۹۲۴ء تک کے حالات درج ہیں جن کے مطالعہ سے نہ صرف انقلابِ روس کے تمام گوشے روشن ہوجاتے ہیں بلکہ دنیا کے عام انقلابات اور تحریکات کے اسباب اور انکے نتائج وثمرات کا نقشہ بھی سامنے آجاتا ہے۔ دوسرے حصہ میں ۱۹۲۵ء سے موجودہ روس تک کے تمام قابلِ ذکر سیاسی اور معاشی حالات کا بیان ہے۔ اپنے موضوع پر لاجواب کتاب صفحات ۶۵۰ قیمت سات روپے۔

سرمایہ
کارل مارکس کی سب سے مہتم بالشان تصنیف (CAPITAL) کیپٹل کا ملخص شستہ ورفتہ ترجمہ، اس انقلابی لیڈر نے اس کتاب میں انقلابی نظریوں کو علمی صورت میں پیش کیا ہے، سرمایہ کی حقیقت، سرمایہ داری کے اصول، محنت اور سرمایہ کی تقسیم، اور مزدوری کے پُرپیچ مسائل پر یہ کتاب عجیب وغریب معلومات مہیا کرتی ہے۔
صفحات ۱۴۴۔ قیمت مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے۔

مینجر مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی ۶

6690

Marfat.com